ماہنامہ
المرشد
اگست ۱۹۸۴ء

اگست ۱۹۸۴ء
ذوالقعدہ ۱۴۰۴ھ

جلد ۵

چکوال ضلع جہلم (پاکستان)

شمارہ ۱۰

دینی اصلاحی علمی تصوف و سلوک کا واحد مجلّہ

بیاد

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ

مدیر مسئول :- حافظ عبدالرزاق ایم ۔ اے (عربی ۔ اسلامیات)

مجلس ادارت اعزازی

پروفیسر بنیاد حسین نقوی بی اے آنرز، ایم اے | پروفیسر باغ حسین کمال ایم ۔ اے

برائے رابطہ

دارالعرفان منارہ (جہلم)

سول ایجنٹ :- مدنی کتب خانہ گنپت روڈ ۔ لاہور

بدل اشتراک

سالانہ چندہ :- ۴۵ روپیہ

ششماہی چندہ :- ۲۵ روپیہ

فی پرچہ :- ۴ روپیہ

بیرونی ممالک کیلئے سالانہ چندہ :- ۱۲۰ روپیہ

مشرق وسطیٰ ۱۴۰ روپیہ

یورپ ۱۵۰

امریکہ ۱۶۰

حافظ عبدالرزاق پبلشر نے منہاج الدین پرنٹر اصلاحی شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ المرشد الحسنات منزل چکوال (جہلم) سے شائع کیا

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو ویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے
آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکٰوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہیں آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہیں پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255

فہرست مضامین

۱	اداریہ	مدیر	۳
۲	اسرار التنزیل	حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ العالی	۷
۳	چراغِ مصطفویؐ	پروفیسر حافظ عبد الرزاق	۱۷
۴	باتیں ان کی خوشبو خوشبو	ارشادات شیخ مکرم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹
۵	اندھیروں سے اجالوں تک	مولانا بدر علی زاہد الوظہبی	۲۳
۶	حقیقتِ طریقت	مولانا اشرف علی تھانویؒ	۳۱
۷	افہام و تفہیم	ابو سعید	۳۳
۸	خواب اور تعبیرِ خواب	مولانا قاری محمد طیبؒ	۳۹
۹	دیکھتا چلا گیا	سیلانی کے قلم سے	۴۲
۱۰	قلب اور علم دین	محمد اسلم خاور کراچی	۴۵
۱۱	ارشاد السالکین	حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ العالی	۵۰
۱۲	قارئین کے خطوط	خط۔ محمد اسرار ۔ مسقط	۵۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دامنِ خوشبوئے دوست

تعلیم و تربیّت کا مؤثر اور آسان طریقہ یہ ہے کہ کسی صاحبِ علم اور تربیّت کے فن سے آشنا کی صحبت اختیار کی جائے۔ صحبت کے اثرات عجیب کیفیات کے حامل ہوتے ہیں، دیکھتے ہی دیکھتے بظاہر غیر محسوس انداز میں رنگ چڑھ جاتا ہے:

بے میوہ ز میوہ رنگ گیرد

انسان جس ماحول میں رہتا ہے، جیسے لوگوں سے اس کا میل جول ہوتا ہے اسی انداز میں اس کی پسند و ناپسند کے سانچے بنتے بگڑتے رہتے ہیں۔ اسی طرز پر اس کے ذوق و وجدان کے رنگ نکھرتے اور اس کی صورتگری ہوتی رہتی ہے۔ مہذب، شائستہ، تعلیمیافتہ اور اخلاقِ عالیہ سے متصف لوگوں سے ربط و تعلق، تہذیب، شائستگی، علم اور اخلاقِ عالیہ کے اکتساب کی تمنا اور کشش دل میں پیدا کر دیتا ہے۔ کسی بھی فن کے ماہر کے پاس بیٹھنے سے نہ صرف اس فن یا علم سے مناسبت پیدا ہونے لگتی ہے بلکہ آہستہ آہستہ طبیعت خود اس طرف راہ دینے لگتی ہے۔ اگر کسی ماہرِ خوشنویس کے پاس کوئی شخص چند دن بیٹھے بشرطیکہ بالکل گھامڑ اور کند ذہن از لطنہ نہ ہو، طبیعت حروف کی اشکال میں حسنِ تحریر اور خط کی خوبی کے لطائف کو آپ سے آپ سمجھنے لگے گی۔ ورنہ کم از کم اتنا تو ہو گا کہ اس ذوق کی مناسبت سے اس کے حصول کا داعیہ کسی حد تک اس کے دل میں پیدا ہو جائے گا۔ اس کی تمناؤں کی گہرائیوں میں انگڑائیاں لینے لگے گی۔ اور یہ ذوق بطونِ فطرت میں پیوست ہو کر رہ جائے گا۔ آخر کبھی نہ کبھی یہ خواہش رنگ لائے گی اور حسنِ تخیل کی خوبصورتیاں انگلیوں سے بذریعہ قلم صفحۂ قرطاس پر نقش آرائی

کرے گی، اور حروف والفاظ حیطۂ تحریر میں آکر فردوس نظر بن جائیں گے۔

کتابیں علوم وفنون سے متعلقہ علمی و تحقیقی مواد کے خزینے ہیں اور ان کے حفظ وانتقال کا ایک عمدہ ذریعہ ہیں اور ان کی وجہ سے تہذیب کے تسلسل اور روایت میں ایک ارتقاء اور اتقان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ کردار سازی اور تعمیرِ سیرت کیلئے ہمیشہ سے ایک ایسے معلم و مربی کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی ہے جو ان الفاظ وکلمات اور ان کے بطون معنی کی حرارت اور زندگی کو کتابِ دل کے صفحات پر اس طرح مرتسم کرسکے کہ کردار وعمل کی خوبی ورعنائی کے سانچوں میں ڈھل کر یہی الفاظ ومعنی کا طلسم ہوشربا ایک جیتی جاگتی، زندہ و فعال صاحب کردار ہستی کی شکل میں ظاہر ہوجائے اور اس کے اعمال کی خوبی زندگی کے نکھار، تہذیب کی ترقی اور علوم وفنون کے ارتقاء اور ترویج واشاعت کا ذریعہ بن جائے۔ اس کی روشنی زندگی کی شبِ تار کو انوارِ سحر سے تابندہ کر دے۔ فکر وعمل کی راہیں اسکی تابانی سے روشن اور آسان ہوجائیں۔ گرہیں کھلتی جائیں اور راہیں نکھرتی جائیں، مقاصد واضح اور منازل آسان ہوجائیں۔

لیکن ایسی تربیت وتعلیم کے لئے ایک ایسے مربی و محسن معلم کی ضرورت ہوگی جو نہ صرف صاحب علم وفضل ہو بلکہ صاحب دل بھی ہو، دل سے دل کو راہ ہوتی ہے اور ایسے ہی لوگوں کی صحبت زندگی میں حقیقی انقلاب کا ذریعہ بنتی ہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے متعلق کہا گیا ہے:

آدمی، آدمی بنا تے ہیں

انسان سازی کا فن لطیف وشریف جن لطافتوں کا متقاضی ہے۔ اس کے لئے جس پاکیزگیٔ فکر ونظر اور جس خلوص وایثار اور حسنِ عمل کی ضرورت ہے وہ ایسے ہی کاملین کی صحبت میں مل سکتا ہے جنہوں نے خود ایک مدتِ مدید تک کسی کامل کی صحبت اٹھائی ہو، اس کے جوتے سیدھے کرنے کی سعادت پائی ہو اور اس کے سینہ سے وہ فیضان وانوار حاصل کئے ہوں کہ جن سے دل کا چراغ روشن اور روح کی شادابی ونزہت حاصل ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ فیضان آدمی کے رگ وریشہ میں رُوحِ حقیقت بن کر رچ بس گیا ہو اور اس کی ہر ہر ادا اور عمل سے اس کی خوشبو اس کی صحبت میں آنے والوں کو مسرور و فیضیاب کر رہی ہو۔ ایسا خوش نصیب جس نے کسی کامل کی صحبت میں فیضانِ حقیقی کی بہارِ جانفزا سے اپنے دامن کو گلہائے مُراد سے بھر لیا ہو

یا جس خوش بخت کے حصّہ میں یہ سعادت آئی ہو کہ وُہ زبانِ حال سے اس حقیقت کا ترجمان ہو کہ :

حاصلِ فصلِ بہاراں دامنِ خوشبوئے دوست

یہ دامنِ مراد جس کے ہاتھوں میں آیا ہو اور جس کی رُوح نے کسی کامل کے انفاسِ صحبت کے فیضان کی خوشبو اپنے مَن میں بسالی ہو اور پھر وہ اس دولت کو بانٹنے میں بھی مصروف ہو تو ایسے انسان کی صحبت میں اگر چند ساعت بھی رہنا نصیب ہو جائے تو زہے قسمت ، مگر اس کے لئے کچھ ہمّت اور مجاہدہ کی بھی ضرورت ہے کیونکہ :

ایں سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کردہ اند

سلاسلِ تصوف میں تربیّت و تزکیہ کا مدار صحبتِ شیخ پر ہے ۔ جس کے لئے خلوص فی النّیت اور خلوص فی العمل شرط ہے ۔ جس کے حصول کا واحد ذریعہ اتباعِ شریعت ہے کہ اعتصام بالکتاب والسنۃ اور اعتقاد علی السلف سے عبارت ہے ۔ کثرتِ ذکرِ الٰہی اس کی وہ "سمت" (DIMENSION) ہے کہ جس سے آئینۂ دل صاف ہوتا ہے ، خلوص فی الدین اور للٰہیّت کی دولتِ جاوید ہاتھ آتی ہے اور پھر یہ طمانیت و سکینتِ قلبی ہی شرحِ صدر اور بصیرتِ کاملہ کی صورت اختیار کرتی ہے ۔ ثمراتِ احسانی کے حصول اور رضائے باری تعالےٰ کے فیضان سے قلب و رُوح کی دنیا کو آباد کرنے کی یہی ایک سبیل ہے اور ایک طالبِ صادق کے لئے منزلِ مقصود کو پالینے کا یہ ایک مختصر سا کورس ہے جو آدمی کی پوری زندگی پر محیط ہے ۔ زندگی کا کوئی پہلو اس فیضان سے خالی نہ رہنا چاہیئے قلب و قالب ، فکر و عمل ، ظاہر و باطن اور دنیا و آخرت ہر مقام اور ہر پہلو سے رضائے باری کو مقدم رکھنا اور اس کی طلب و جستجو میں اپنی تمام استعدادوں کا کھپا دینا ہی ، اس راہ کی ضروریات اور آدابِ طریقت میں اولین اہمیّت کا حامل ہے ۔

شیخِ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ مجدد الطریقۃ مجتہد فی التصوف امام الاولیاء اعلیٰحضرت مولانا اللہ یار خاں رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے فیوضاتِ عالیہ کی وہ دولتِ جاوید جو اعلیٰحضرتؒ اپنی حیاتِ دنیوی میں طالبینِ راہِ سلوک میں کریمانہ فیاضی سے بے دریغ تقسیم فرماتے رہے اور آپ کی خدمتِ عالیہ میں آنے والا کوئی بھی شخص اس سے محروم نہ رہا اور اپنی اپنی استعداد و ظرف کے مطابق اس موہبتِ ربّانی سے اپنا حصّہ وصول کرتا رہا اور ممنونیت و احسان مندی کے جذبہ سے سرشار ہو کر بزبانِ حال یہ کہتا ہُوا نظر آیا :

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

اس سلسلۂ عالیہ یعنی نقشبندیہ اویسیہ کا مابہ الامتیاز آقائے نامدار حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دستِ اقدس پر روحانی بیعت ہے اور بحمد اللہ یہ کوئی ڈھکی چھپی یا راز کی بات نہیں بلکہ اس وقت پوری دنیا میں سوائے اس سلسلۂ عالیہ کے اس دولت کا امین اور اس کا بانٹنے والا کہیں نہیں۔ وللّٰہ درّ من قال:

افلت شموس الاولین و شمسنا
ابدًا علی افق البقاء لا تغرب

اعلیحضرت شیخ سلسلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے فیضان کا یہ اعجاز دیکھئے کہ زمان ومکان کی مسافتیں لپٹ گئیں، دُوریاں دُور ہوگئیں، صدیاں لمحوں میں سمٹ آئیں، عالمِ برزخ اور عالمِ دنیا کے درمیانی حجابات چھٹ گئے، نگاہوں کو بصیرت، دلوں کو معرفت، روح کو رفعت اور پیر پرواز عطا ہوگئے کہ یہ طائرِ ژرف نگاہ و بلند پرواز فضائے قدس میں پر مارنے لگا اس کی رسائی ان بلندیوں پر ہوئی جہاں فرشتوں کا بھی گزر نہیں۔ اس میں نہ کوئی حیرت کی بات ہے، نہ کسی تعجب کی ضرورت۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء اور کسی کو مجالِ سخن نہیں ان اللہ علی کل شیئ قدیر۔

شرائطِ مذکورہ یعنی خلوص فی النیّت، خلوص فی العمل اور رضائے باری کی تڑپ لے کر جس کا جی چاہے آئے اور خود دیکھ لے، صلائے عام ہے۔ دیکھئے کون خوش نصیب اپنا دامنِ طلب پھیلاتا ہے اور کون ایسا بلند ہمت ہے کہ اپنی جھولی بھرتا ہے۔

ایں کارِ دولت است کنون تا کرا دہند

واللہ الہادی وھو یہدی السبیل وصلّی اللہ علی حبیبہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ

اِسرارُ التنزیل

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ ...... وَاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ

اللہ کریم نے جب ارواحِ انسانی کو پیدا فرمایا تو ان تمام کو بیک وقت جمع فرما کر سب کے سامنے یہ بات رکھی تھی کہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) قَالُوْا بَلٰی سب نے اقرار کیا تھا کہ بے شک تو ہی ہمارا رب ہے۔

رب اس ہستی کو کہا جاتا ہے جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت ہر وقت اور ہر جگہ پوری کر رہا ہو۔ گویا یہ عہد اس لئے تھا کہ یہ ارواح جب عالمِ رنگ و بو میں آئیں گے اور انہیں وجود کا لباس نصیب ہو گا تو مادی دنیا میں ان کو بے شمار مادی ضروریات بھی ہوں گی۔ اور ان کے سامنے بے شمار عارضی وسائل بھی ہوں گے ——— عہد یہ تھا کہ ان وسائل کو اپنا رب نہیں مانو گے۔ رب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو قبول کرو گے۔ یعنی ان وسائل کے حصول کے لئے اللہ کریم کی نافرمانی نہیں کرو گے۔ کہ ان پر اعتماد کرنے کو کہ خدا کی نافرمانی بھی ہو جائے تو خیر ہے لیکن یہ بات ہاتھ سے نہ جائے۔

اگر ایسا کرو گے تو گویا تم نے ان وسائل یا ان اسباب، ان ذرائع اور ان افراد کو اللہ کی جگہ رب تسلیم کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی اسی دن اسی مقام پر دوسرا عہد انبیاءؑ کی ارواحِ مقدسہ سے بھی لیا گیا۔ بیان کردہ آیت میں اسی عہد کی بات ہو رہی ہے فرمایا۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ ...... حِکْمَۃٍ

اللہ کریم نے انبیاء سے عہد لیا کہ جب آپ عالمِ آب و خاک میں انسانوں کے پاس مبعوث ہوں گے اور آپ کو کتاب و حکمت عطا کی جائے گی کتاب کے ساتھ حکمت ملنے سے مراد اس کتاب کے معنی اور مفہوم پر آگاہی ہے۔ سنت اللہ یہ ہے کہ

انبیاء کو صرف کتاب کے الفاظ ہی نہیں دیئے گئے بلکہ کتاب کے ساتھ اس استعداد سے بھی نوازا جاتا ہے جو اس کتاب کو سمجھنے اور مرادِ الٰہی کو صحیح طور پر پا لینے کی قدرت رکھتی ہے۔ اور اسی استعداد کو حکمت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اسی لئے یہ قاعدہ ہے کہ کتاب کو صاحبِ کتاب ہی بیان فرماتا ہے۔ منصبِ نبوت اور فرائضِ نبوت میں یہ بات شامل ہے کہ نبی اللہ کی کتاب صرف پہنچاتا ہی نہیں بلکہ کتاب کا مفہوم، اس کے معانی اور مرادِ الٰہی نوعِ انسانی تک پہنچاتا ہے۔ یعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ اس لئے کتاب اللہ کا وہی مفہوم قابلِ قبول ہوگا جو اللہ تعالےٰ کے رسول سے اس کے شاگردوں نے، یا اس کے ماننے والوں نے، یا اس سے پڑھنے والوں نے سمجھا سیکھا اور تعاملِ صحابہؓ اسی لئے حجت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے براہِ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب اللہ کو پڑھا، سیکھا اور سمجھا اور پھر رسول کریم کے رُو برُو اس پر عمل کیا۔ اور ان کے اس عمل کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ اب اگر کوئی لغت اور گرامر کے زور سے ان الفاظ کو پھیرے اور وہ مفہوم پیدا کرے جو نہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا اور نہ صحابہ کرامؓ نے اختیار کیا تو وہ قابلِ قبول نہ ہوگا۔ اسی طرح سے ہر نبی ہر پیغمبر اور ہر رسول کو جب کتاب دی گئی تو اس کے ساتھ ہی اس کی سمجھ بھی عطا کی گئی۔

کتاب کا مفہوم بھی عطا کیا گیا۔ کتاب کے معنی بھی تعلیم کئے گئے۔ اور اسی آیت کریمہ سے یہ بات واضح بھی ہے کہ لَمَا اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ کہ انبیاء براہِ راست ذاتِ باری تعالےٰ سے تعلیم پاتے ہیں۔ جہاں سے انہیں کتاب ملتی ہے وہیں سے حکمت اور کتاب کے معنی بھی عطا کئے جاتے ہیں۔

انبیاء دنیا میں کسی کے شاگرد نہیں ہوتے کسی سے پڑھتے سیکھتے نہیں۔ سو اللہ کریم نے یہ عہد لیا کہ جب تمہیں کتاب و حکمت سے سرفراز کیا جائے اور اس حال میں ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم وہ عظیم الشان رسول مبعوث ہو جائے جو تمام انبیاء اور ان کی تعلیمات کی تصدیق کرنے والا ہے لتؤمنن بہ ولتنصرنہ تو آپ حضرات کو بجائے خود نبوت سے سرفراز ہونے کے باوجود اس رسول کو بحیثیت رسول قبول کرنا ہوگا۔ لتؤمنن بہ اس پر ایمان لانا ہوگا ولتنصرن اور اس کی اطاعت و خدمت کرتے ہوئے اس کے کام اور مشن میں آپ حضرات کو اپنا کام سمجھ کر ہاتھ بٹانا ہوگا۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ انبیاء بجائے خود نبوت و رسالت سے سرفراز ہیں اور پھر یہ بھی طے ہے کہ کسی نبی نے حضورؐ کا زمانہ نہیں پایا۔ حضرت عیسٰیؑ کو آسمانوں پر اٹھا لیا گیا اور جب وہ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو

تمام انبیاء میں تنہا وہ ایسے نبی ہیں جو اتباعِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں پورے طور پر کریں گے اور علمِ الٰہی میں یہ بات موجود تھی۔ خدا بہتر جانتا تھا کہ کوئی نبی بھی اس وقت موجود نہیں ہوگا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں موجود ہوں گے تو پھر انبیاء سے یہ عہد لینا کہ اگر آپؐ تشریف لائیں تو آپ سب حضرات کو ایمان بھی لانا ہوگا اور اس قدر اطاعت کرنا ہوگی گویا یہ اپنا کام ہے۔ جو کام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انجام دینا چاہتے ہیں وہی آپ کے فرائض میں بھی داخل ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ کائنات میں جس قدر بھی فیضانِ باری تعالیٰ تقسیم ہوا، وہ عالمِ آب و گل ہو، ہفت افلاک ہوں یا عرشِ عظیم ہو، عالمِ امر ہو یا نعمتہائے جنت یا تجلیاتِ باری، جہاں جہاں جس جس جگہ، جس جس ہستی تک اللہ جل شانہٗ کا احسان وکرم پہنچا۔ یہ سب رحمت باری کے شعبۂ ربوبیّت کا فیض ہے۔ جس میں ساری مخلوق کی تخلیق اور ساری مخلوقات پر انعامات واکرام بھی شامل ہیں۔ یہ سارے ربوبیّت کے شعبے ہیں۔ اور ربوبیت بجائے خود رحمت کا ایک شعبہ ہے۔ ربوبیّت رحمتِ کلی نہیں، رحمت کا ایک حصہ ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رحمتِ مجسم ہیں۔ آپؐ ایک عہد اور نوع کے لئے نہیں بلکہ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ عالمین کا لفظ اللہ تعالیٰ کے سوا ساری مخلوق کو محیط ہے۔ سو اللہ جل شانہٗ کے سوا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ساری کائنات کیلئے رحمتِ مجسّم ہیں تو گویا حضورؐ انبیاء کے لئے بھی فیضانِ نبوت کے حصول میں اللہ کریم اور ان کے درمیان واسطہ ہیں۔ اس لئے کہ انبیاء کی نبوت اور رسولوں کی رسالت بھی رحمتِ باری کا اک کرشمہ ہے اور اور ہر ہدایت یافتہ انسان کی ہدایت بھی رحمتِ باری ہی کا کوئی کرشمہ ہے اور رحمتِ مجسم پوری کائنات میں صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہیں۔ اسی سے اس حدیث کی وضاحت ہوتی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اوّل ما خلق اللہ نوری کہ تمام کائنات کی تخلیق سے پہلے اللہ جل شانہٗ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔

کنت نبیّا وآدم بین الماء والطین۔ اوکما قال النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدمؑ کا خمیر ابھی مٹی اور پانی میں گوندھا جا رہا تھا۔ ان تمام احادیث کی وضاحت اسی طرح سے ہو جاتی ہے کہ ساری مخلوق کی تخلیق میں اور ساری مخلوق کو تقسیم کمالات میں بھی اللہ اور مخلوق کے درمیان واسطہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ اور اس واسطے کا جس نے انکار کر دیا وہ رحمتِ باری سے محروم ہو گیا

اور جو بھی اس ذریعے، واسطے یا سلسلے سے ٹوٹ گیا وہ اللہ تعالٰی کی رحمت سے دور ہو گیا غضب الٰہی کا شکار ہو گیا۔ پھر جب انبیاء سے عہد لیا گیا تو یہ انبیاء کے واسطے سے گویا ساری انسانیت سے اللہ کریم نے عہد لے لیا اور اپنی ربوبیت کا عہد فرداً فرداً ہر روح سے لیا اس لئے کہ فیض ربوبیت، غذا، مال واسباب، صحت وزندگی کافروں پر بھی عام ہے۔ اگر کوئی انبیاء کو تسلیم نہیں کرتا تو بھی اس کے سامنے سے خداوند روزی نہیں اٹھالیتا یا اس سے رزق چھین نہیں لیتا۔ اسے عمر بھی عطا کرتا ہے اور اولاد بھی دیتا ہے، وقت بھی دیتا ہے فرصت بھی عنایت کرتا ہے، سوچنے اور سمجھنے کا موقع بھی فراہم کرتا ہے لیکن رحمت باری اور اس کی رضا وخوشنودی اور مرضیات تک پہنچنے کے لئے ایمان شرط ہے۔ رضائے باری بغیر ایمان نصیب نہیں ہوتی۔ اور ایمان ہر امت کا اپنے نبی کے واسطے سے ہوتا ہے۔ ہر عہد میں ہر نبی کے دور میں اس دور کے ان لوگوں کا جن کی طرف اللہ کا نبی اور رسول مبعوث ہوا ایمان تب قابل قبول ہے کہ وہ اپنے اس نبی کے ساتھ اپنا ایمان درست کرے اور نبی کے واسطے سے جب ایمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر ہو گا تو تمام امت کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا

اقرار نصیب ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ برزخ میں داخلے پر پڑتال کیلئے اللہ کے جو فرشتے آتے ہیں کہ کون آیا ہے۔ کیسا شخص ہے تو ان کا پہلا سوال یہی ہوتا ہے **من ربک** وہی بات جو اس نے یوم الست کو کہی تھی کہ الٰہی تو ہی میرا رب ہے۔ وہی بات پوچھتے ہیں کہ وہاں تو تو نے اقرار کیا تھا۔ جب دنیا اور عالم اسباب میں گیا۔ اسباب کو اور ان کے نتیجہ میں بعض امور جو ظہور پذیر ہوتے ہیں وہاں تیرا اعتماد اسباب وذرائع یا دنیاوی اثرات و وسائل پر ہی تھا یا تیرا اعتماد اللہ تعالٰی پر ہی قائم رہا۔ **من نبیک ومادینک**۔ دنیا میں کس نبی کی امت تھا۔ تیرا نبی کون تھا۔ تیرا مذہب، تیرا طرز حیات اور اسلوب زندگی کیا تھا۔ اس کے ساتھ وہ اگلا سوال دہراتے ہیں۔ **ماتقول فی حق هذا الرجل**۔ کہ اس ہستی کے بارہ میں تو کیا رائے رکھتا ہے۔ جب وہ ہٰذا کا اشارہ کرتے ہیں (عربی زبان میں **ھذا** کا اشارہ قریب کیلئے ہوتا ہے) تو جس پر سوال کیا جا رہا ہو، اس کے سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ آرا ہوتے ہیں۔ آپ کے اور قبر کے درمیان حجابات من جانب اللہ ہٹا دئے جاتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ حضور پاک ہر ایک کی قبر میں تشریف لائیں۔ اگر کسی کی قبر پہ حضور بذات خود تشریف لے آئیں تو پھر اس سے حساب کیسا؟

چونکہ اللہ کریم نے آپؐ کو منع فرمادیا ہے کہ آپ کسی کافر یا منافق کی قبر پر تشریف نہ لے جایئں

ولاتقم علیٰ قبرہٖ .... ابدًا

آپؐ کسی منافق یا کافر کی قبر پر تشریف نہ لے جایئں اور نہ وہاں کھڑے ہوں، نہ ہی رُکیں۔ سو حضورؐ کا کسی قبر پر تشریف لے جانا ہی اس کے جنتی ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو ساری کائنات کا مرکز ہیں۔ اور سارا دائرہ مرکز کے گرد گھومتا ہے مرکز کبھی اپنی جگہ نہیں چھوڑتا۔ حضورؐ تشریف نہیں لے جاتے۔ آپؐ جہاں تشریف فرما ہیں وہاں تک کے حجابات اٹھا دئیے جاتے ہیں۔ اب بات رہ جاتی ہے دیکھنے والے پر۔ درمیان میں کوئی حجاب نہیں رہتا مگر آنکھیں ہی نہ ہوں تو دیکھے کیسے؟ اس دنیا میں ہم مادی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور ان سے مادہ ہی دکھائی دے سکتا ہے برزخ میں پہنچ کر مکلّف بالذات روح ہو جاتا ہے اور بدن اس کے تابع بن جاتا ہے اب اگر روح میں قوتِ بینائی ہے اور اس میں دیکھنے کی سکت ہے اور روح کی قوت کا مدار ایمان پر ہے۔ اگر اسے اس قدر قوی ایمان نصیب ہے تو حجابات اٹھتے ہی وہ رُخِ انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ کر پکار اُٹھتا ہے ہٰذا سیدنا، سیدنا ومولانا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارسل الی الناس کافۃ..... سراجا منیرًا۔

لیکن اگر زندگی میں اسے حضور اقدسؐ پر ایمان ہی نصیب نہیں ہوا، جان پہچان ہی نہیں، کبھی آپؐ کے نقشِ کفِ پا کی تلاش ہی میں نہیں نکلا تو وہاں اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا اور وہ کہہ دیتا ہے۔ ہائے ہائے۔ **ھاہ ھاہ لاادری**۔ کیا کہتے ہو۔ کس کی بات کرتے ہو، کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ کس کے بارے میں پوچھتے ہو۔ یہاں تو کوئی نہیں ہے۔ حجابات ہٹ جانے پر بھی وہ کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ اور اس کے عذابِ الٰہی میں مبتلا ہونے کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ وہ نبی کریمؐ سے آشنا تک نہیں۔ اور یہ حال روزِ اوّل سے گزرنے والے انسان سے لے کر قیامت تک آنے والے انسان کو درپیش ہوتا ہے۔ چونکہ تمام انبیاء کرام نے آپؐ کو مانا بھی، آپؐ پر ایمان بھی لائے اور اس امر پر کمربستہ بھی رہے کہ ہم حضورؐ کی ہر خدمت بجالائیں گے۔ اور پھر ہر نبی نے اپنی امت کو یہ ارشاد فرمایا کہ نسلاً بعد نسلٍ یہ پیغام دیتے چلے جاؤ کہ اگر کوئی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا زمانہ پائے تو آپؐ پر ایمان بھی لائے اور کما حقہٗ اطاعت بھی کرے۔ رہی یہ بات کہ حضورؐ کی بعثت سے پہلے گزرنے والے لوگوں نے تو آپؐ کو دیکھا نہ تھا ــــ سو نہ دیکھنے میں تو ہم اور وہ برابر ہیں۔ حضورؐ سے ہمارا رشتہ بھی تو ایمان ہی کا ہے۔ دیکھا تو صرف ان خوش نصیبوں نے تھا جنہوں نے آپؐ کا

دورِ اقدس پایا۔ جب سے آپؐ نے چشمِ عالم سے پردہ فرمایا اس سے لے کر قیامت تک آنے والے لوگوں کا رشتہ بھی تو ایمان ہی کا ہے۔ اسی طرح پہلوں کا رشتہ بھی ایمان ہی کا ہے۔ اس لئے جیسے ہم پر یہ سوال صحیح ہے ایسے ہی ان پر بھی درست ہے۔ انبیاء کی وساطت سے گویا ساری بنی نوعِ انسانی سے یہ عہد لیا جا رہا ہے۔ چونکہ ربوبیت کا عہد انفرادی تھا اس لئے ربوبیت کا فیض بھی انفرادی ہے۔ نبوت کا عہد چونکہ بوساطت انبیاءؑ تھا۔ اس لئے نبوت کا فیض پہنچنے کیلئے ایمان شرط ہے۔ ایمان کے بغیر فیضانِ نبوت نہیں پہنچتا اور پھر اس عہد پر اللہ جلّ شانہٗ نے اس قدر تاکیدی جملے ارشاد فرمائے۔ فرمایا: **قال ءاقررتم واخذتم علٰی ذالکم اصری**۔ کیا آپ حضرات نے میرے رُوبرو میری بارگاہ میں اس بات کو برضا و رغبت قبول کر لیا۔ **قالوا اقررنا**۔ سب نے کہا، اے اللہ! بسر و چشم قبول کیا۔ فرمایا: **فاشھدوا** اس بات پر گواہ رہنا **وانا معکم من الشاھدین** تمہارے ساتھ اس بات پر میری ذات بھی گواہ ہے۔ سو انبیاء کی قوتِ ایمانی ایسی تھی کہ انہوں نے ایسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مانا کہ اپنے اپنے عہد میں دنیا میں تشریف لائے، اللہ تعالیٰ کی توحید کو منوایا، اپنی نبوت کو منوایا، احکام الٰہی کو منوایا اور اس کے ساتھ ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بھی مانا اور اپنی اپنی امت سے بھی منوایا۔

انبیاء کے ماننے اور قبول کرنے کا یہ عالم تھا کہ اپنے اپنے عہد میں تشریف لائے، زمانے بیت گئے، صدیاں گذر گئیں۔ لیکن قوتِ ایمانی کا یہ کرشمہ ہے کہ شبِ معراج کو تمام انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں لوٹایا گیا۔ اور ان کو براہِ راست حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اقتداء میں مسجدِ اقصیٰ میں دوگانہ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ اور اللہ جلّ شانہٗ نے ان سب کو نبی کی اقتداء برزخ سے لوٹا کر عملاً نصیب فرمائی۔ یعنی صرف زمانے ہی حائل نہ تھے بلکہ عالم بھی بدل چکے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جہانِ رنگ و بو میں تشریف فرما تھے اور باقی تمام انبیاء جہانِ برزخ میں موجود تھے مگر قوتِ ایمانی کا یہ کرشمہ تھا کہ اللہ کریم نے ان سب کو وہاں سے لوٹا کر بیت المقدس میں حضور اقدسؐ کی اقتداء عملاً اس عالمِ رنگ و بو میں نصیب فرمائی۔ جس بات پر ان کا ایمان، اعتماد اور یقین تھا وہ بات اللہ کریم نے انہیں عملاً نصیب فرمادی تو گویا اتباع کا تعلق ایمان سے ہے ایمان جس قدر قوی ہوگا اسی قدر اتباع اور اقتداء نصیب ہوگی اور اولیاءاللہ چونکہ باتباع انبیاءؑ کے چلتے ہیں۔

ان میں یہ قوت نہیں ہوتی کہ جہاں انبیاءؑ مجسم تشریف لے گئے وہاں ولی کا جسم نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن انبیاء کے ساتھ اولیاء اللہ کے ارواح ان منازل کو ضرور پالیں گے۔ اسی لئے یہ انبیاء کے فیض کا کرشمہ ہے کہ جتنا یقین محکم ہو جائے، ایمان قوی ہو جائے اسی کو اصطلاحِ تصوف میں "نسبت" کہتے ہیں۔ جتنی نسبت قوی ہو جائے اتنا ہی روح میں قوت آجاتی ہے بدن نہیں جاتا لیکن روح ضرور صدیوں کا فاصلہ طے کر کے بارگاہِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں باریاب ہوتی ہے۔ نہ اسے عالم روکتے ہیں کہ برزخ اور دنیا کا فاصلہ ہے، نہ اسے زمانہ روکتا ہے کہ چودہ صدیوں کا فاصلہ ہے۔ بلکہ حضورؐ کے ساتھ اس کا تعلق اور ایمان ایک ایسا زینہ، وسیلہ اور ذریعہ یا سواری بن جاتا ہے کہ ولی اللہ کی روح بارگاہِ رسالت مآبؐ میں حاضری سے مشرف ہوتی ہے۔ مگر اس کی دو ہی بنیادی شرطیں ہیں۔ لتؤمنن بہٖ ولتنصرنہ۔ ایمان ایسا ہو کہ زمانہ ٹل جائے لیکن محمد رسول اللہ پر اس کا اعتماد مجروح نہ ہو اور صرف اتنا ہی ایمان نہ ہو کہ بس اتباع ہی پر اکتفا کر لے بلکہ ولتنصرنہ حضورؐ کے کام اور مشن میں بھی اپنی حیثیت کے مطابق آپ کا ہاتھ بٹائے۔ اب جو شخص اپنے وجود اور خواہشات کو لگام نہیں دے سکتا وہ

حضورؐ کے مشن میں آپ کی کیا خدمت بجالائے گا۔ اور ساتھ کب چلے گا۔ یہاں تو گویا ایسے شخص کی ضرورت ہے جو صرف اپنے وجود ہی کی نہیں بلکہ کئی دوسرے افراد کو بھی سنبھالنے کی سکت رکھتا ہو ــــــــ اس کے بغیر بارگاہِ نبویؐ میں حاضری محال ہوگی اور جو شخص بچوں کی طرح کبھی اس طرف لڑھکے اور کبھی اس جانب لڑھکے۔ پھر وہ یہ طلب کیوں کرے کہ اسے حضورؐ کی بارگاہ میں حاضری نصیب ہو۔ اس کیلئے تو شرط یہ ہے کہ لتؤمنن بہٖ ولتنصرنہ۔ سو اب سوچنا یہ ہے کہ اس نعمت کو پانے کیلئے ہمیں اس قدر آگے بڑھنا ہے کہ ہمیں ہماری فکر ہی نہ رہے۔ یہ بات بچگانہ ہے کہ مجھے یہ وہم آتا ہے۔ مجھے شیطان یہ کہتا ہے۔ کون شریف آدمی شیطان سے بھلی بات کی امید کر سکتا ہے۔ شیطان کو تو یہ کرنا ہی ہے۔ مزا تو جب ہے کہ شیطان فکر مند ہو کہ یہ شخص کیا کہتا ہے۔ حاضری انہیں نصیب ہوتی ہے جن کی قوتِ عمل سے شیطان کو فکر دامنگیر ہو جائے کہ یہ شخص آج کہاں جا رہا ہے، آج کہاں بیٹھے گا، کس سے بات کرے گا، جہاں بھی جائے گا میری بات کاٹتا چلا جائے گا۔ ایسے وہی شخص ہوتے ہیں جن کے حق میں یہ بات آتی ہے اور صادق آتی ہے، لتنصرنہ۔ حضور اکرمؐ نے

ارشاد فرمایا کہ جس راستے سے عمرؓ گزر رہا ہو
شیطان وہ راستہ بدل لیتا ہے۔ سو اپنی
حیثیت کے مطابق انسان حضورؐ کی بات دوسروں
تک پہنچانے والا ہو۔ یاد رکھیں بات صرف
زبانی ہی نہیں پہنچائی جاتی۔ بات پہنچانے کے
مختلف ذرائع ہیں جن میں لباس اور حلیہ بھی ہے
کہ اس کو دیکھ کر پتہ چلے کہ یہ حلیہ حضورؐ کا تھا۔
اور اس کا لباس حضورؐ کی اقتداء میں ایسا
ہے۔ اس کے کام اور بات کرنے کے انداز سے
حضورؐ کا پیغام مترشح ہو رہا ہو۔ اس کے
کھانے پینے، نشست و برخاست، لین دین
معاملات اور عبادات سے اتباعِ پیغمبرؐ جھلک
رہا ہو۔ تب کہیں بات بنتی ہے۔ یہ الگ بات
ہے کہ بحیثیت انسان اس سے کوتاہیاں اور
غلطیاں بھی سرزد ہو سکتی ہیں اس لئے کہ ہم
میں سے فرشتہ تو کوئی بھی نہیں ہے۔ لیکن اگر
کوئی غلطی ہو جائے تو ہر غلطی کے ساتھ ایک
دکھ بھی ہو کہ مجھ سے یہاں دامنِ رسولؐ کیوں
چھوٹ گیا۔ **لم یصروا علیٰ ما فعلوا**
قرآن کریم میں ہے کہ مومن اگر غلطی کرے تو توبہ
کرتا ہے، رجوع کر لیتا ہے، نادم ہوتا ہے
اس غلطی پر اصرار نہیں کرتا۔ غلطی کو پیشہ نہیں
بنا لیتا، اسے مسلسل نہیں کرتا رہتا۔ **لم یصروا**
اصرار نہیں کرتا، بار بار نہیں دہراتا۔ سو انبیاء
کی قوتِ ایمانی دیکھیں کہ عنداللہ ان کا ایمان اس

قدر مقبول تھا کہ قرنوں کے فاصلے سمٹ گئے،
عالموں کی کیفیت درمیان میں حائل نہ ہو سکی،
اور تمام انبیاء حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ
تک سب نبی اور رسول بیت المقدس میں حاضر
ہوئے اور شبِ اسریٰ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم سے بالمشافہ گفتگو ہوئی۔ نہ صرف ملاقات
ہوئی بلکہ آپکی اقتداء میں سب نے دوگانہ ادا فرمایا۔
اب جس کسی کو ایمان صحیح پوری قوت کے ساتھ
حاصل ہوگا اور اس کی زندگی کا مشن حضورؐ
کے پیغام کو عام کرنا ہوگا۔ عملاً بھی، قولاً بھی،
جان سے بھی، مال سے بھی، غرضیکہ ہر طرح سے
اس کا مقصود یہ ہوگا کہ حضورؐ کے دین کا احیاء
کروں۔ حضورؐ کا پیغام اللہ کریم کی مخلوق تک
پہنچاؤں تو یقیناً اسے بھی یہ نعمت نصیب ہوگی کہ
اس کی روح بھی صدیوں کا فاصلہ پاٹ کر
بارگاہِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری
سے مشرف ہو۔ اب ایک شخص چاہتا ہے کہ لاہور
پہنچ جاؤں لیکن وہ موٹر پکڑتا ہے نہ کوئی اور سواری
پکڑتا ہے اور نہ ہی لاہور کے راستہ پر چلتا ہے
تو محض چاہنے سے تو کچھ نہ ہوگا۔ نری خواہش کی
تو کوئی قیمت نہیں۔ اللہ کریم نے جب اسباب
اور ذرائع بنائے ہیں تو انہیں اختیار کرنا بھی ضروری
ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ غریب ہے، بے کس ہے
اس کے پاس اتنا سرمایہ نہیں کہ ٹکٹ لے کر موٹر
میں بیٹھے۔ مگر چلنا تو شروع کر دے۔ اس طرف کھسکے

تو سہی۔ لے جانا تو خدا کا کام ہے۔ یعنی ممکن ہے کہ جس کے پاس کرایہ ہے وہ عام موٹر میں سوار ہو اور جس کے پاس کرایہ نہیں اسے کسی کار پر بٹھادے کوئی اسے مفت موٹر والے سے پہلے منزل پر پہنچا دے۔ لیکن وہ چلنا تو شروع کرے اگر چلے گا ہی نہیں تو پھر یہ راہ اس پر کیسے کھلے گی، منزل کس طرح آسان ہوگی۔

زندگی خلافِ سنت ہو، معمولات خلافِ سنت ہوں، کردار وعمل خلافِ سنت ہو اور اس کے باوجود تمنا ہو بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچنے کی۔ ع

این خیال است ومحال است وجنوں

یہاں تو حال یہ ہے کہ ہر بدکار اور بے دین کو پیرِ طریقت سمجھ لیا جاتا ہے۔ اور جو جتنا خلافِ سنت ہو اتنا ہی کامل سمجھا جاتا ہے۔ جہالت کی حد تو یہ ہے کہ اگر کوئی بالکل ہی برہنہ رہنا شروع کر دے تو اسے اتنا ہی بڑا ولی اللہ سمجھا جاتا ہے۔ یاد رکھیں یہ ساری خرافات ہیں۔

سیدھا سا راستہ ہے لتؤمنن به ولتنصرنه۔ اس کے سوا انبیاء کا بھی چارہ نہیں۔ بھلا نبی کے مقابلے میں ولی کیا شئے ہے؟ وہ تو نبی کا خاکِ پا بھی نہیں بن سکتا۔ سو جب نبیوں اور رسولوں کا اس کے سوا چارہ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لو كان موسٰى حيا ما وسعه الا اتباعى

او كما قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم

کہ اگر موسیٰ علیہ السلام اس عالمِ رنگ وبو میں تشریف رکھتے ہوتے اور طور پر جاکر ہمکلام ہوتے اور عرض کرتے بارالٰہی! مجھے کیا کرنا ہے تو یہی حکم ہوتا کہ وہی کرو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری اطاعت کے بغیر انہیں بھی کوئی چارا نظر نہ آتا۔ تو جب اولوالعزم پیغمبر کا یہ حال ہے تو کوئی شخص اتباعِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر ولایت کا مدعی کیسے بن سکتا ہے اور اسے ماننے والے کی عقل پر یہ پتھر کیسے پڑ گئے۔ یہ چند روزہ بات ہے اس کے بعد ایک سیدھا سا فیصلہ ساری نوعِ انسانی کو دے دیا کہ یاد رکھیں

فمن تولى بعد ذالك۔ اس سارے معاملے، ساری وضاحت، دلائل و براہین اور عظمتِ پیغمبر آشکارا ہونے کے بعد کوئی شخص کہیں ہو کسی زمانہ میں ہو، کسے باشد؟ فمن تولى کوئی بھی ہو اگر اتباعِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روگردانی کرے گا تو فاولئك هم الفاسقون۔ وہی شخص بدکار، وہی فاسق وفاجر اور گمراہ ہوگا۔ جو اس عہد سے، اس عزم اور کام سے پیچھے ہٹے گا۔ وہ فاسق ہوگا ——— اور اس کے علاوہ کوئی بھی طرزِ حیات اپنالو، کوئی بھی جینے کا سلیقہ اختیار کر لو افغير دين الله يبغون۔

اللہ کا راستہ نہیں ہوگا۔ اور تم اللہ کے علاوہ کوئی اور رستہ تلاش کرنے والوں میں سے قرار دے دیئے جاؤ گے۔ دین اللہ (اللہ کا راستہ) اتباعِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہے۔ اگر کسی نے خواہ وہ کوئی ہو، کسی زمانہ میں ہو اس بات کو نظر انداز کر دیا تو وہ ان لوگوں میں شمار ہوگا جو اللہ کی راہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ خواہ اپنی پسند سے کرے یا مجبوراً کرے اللہ کا ہی مطیع ہے۔ نافرمان بھی اللہ کے تابع ہیں۔ اسی کے حکم کے مطابق پیدا ہوتے ہیں اور جب اس کا حکم آتا ہے تو بے چون وچرا مر جاتے ہیں۔ جب وہ صحت دیتا ہے تو صحت یاب رہتے ہیں اور اگر بیمار کر دیتا ہے تو انہیں بھی جرأت نہیں ہوتی کہ نافرمانی کر سکیں۔ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ فرمایا یہ بات یاد رکھ لو۔ سب کو لوٹ کر اس کی بارگاہ میں آنا ہے۔ اگر چند ے مہلت ہے فوری مواخذہ نہیں تو اس سے یہ نہ سمجھ لو کہ ہمیشہ کے لئے جان چھوٹ گئی۔ بلکہ پلٹ کر اللہ کی بارگاہ میں آنا ہے اور وہاں قبولیت کا صرف ایک ہی راستہ اور ذریعہ ہے ـــــ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ـــــ اللہ کریم ہم سب کو ایمان وعمل کی توفیق ارزاں فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥

جہانِ دل جہانِ رنگ و بُو نیست
درو پست و بلند و کاخ و کُو نیست

زمین و آسمان و چار سُو نیست
دریں عالم بجز اللہ ھُو نیست

چراغِ مصطفویؐ

حافظ عبدالرزاقؒ

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا صلّی احدکم فلیجعل تلقاء وجھہٖ شیئاً فان لم یجد فلینصب عصاہ فان لم یکن معہٗ عصاہ فلیخطط خطاً ثم لا یضرہ ما مرّ امامہ (ابوداؤد وابن ماجہ)

ترجمہ

حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے لگے تو اسے چاہیئے کہ اپنے سامنے کوئی چیز رکھ لے (تاکہ سترہ بن جائے) اور اگر کوئی ایسی چیز نہ ملے تو اپنی چھڑی کھڑی گاڑ دے اور اگر چھڑی بھی نہ ہو تو ایک خط کھینچ لے۔ پھر جو کچھ سامنے سے گزرتا ہے اس کو مضر نہیں۔"

نماز کیا ہے؟ دراصل محتاج بندے کی اپنے رب کے ساتھ سرگوشیاں ہیں۔ جو اس کا خالق بھی ہے اور محبوب بھی ہے۔ محبوب کے ساتھ ہمکلام ہونے کا پہلا سلیقہ یہ ہے کہ خیال اور توجہ اِدھر اُدھر بھٹکے نہیں۔ بلکہ پوری جمعیت خاطر اور یکسوئی حاصل ہو۔ اور اگر کسی وجہ سے اس یکسوئی اور جمعیت خاطر میں خلل واقع ہوتا ہو تو اس کے حصول کے لئے تدبیر کرنی چاہیئے۔

اس حدیث پاک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ضرورت، اہمیت اور اس کے حصول کی تدبیر کا تذکرہ فرمایا ہے۔ نگاہ کی ایک حد ہے۔ مگر خیال کی وسعت کی انتہا نہیں۔ نگاہ اور خیال دونوں کو ایک خاص حد کے اندر رکھنے کی تدبیر یہ فرمائی کہ سامنے کوئی چیز رکھ لے۔ ظاہر ہے کہ وہ چیز اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان نے اپنی نگاہ اور خیال کو اس حد سے آگے جانے سے روکنے کی یہ تدبیر کی ہے۔ پھر اس میں رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے پہلے چھڑی یا عصا کا ذکر فرمایا کہ اسے اپنے سامنے گاڑ دے۔ اس سے یہ تأثر ملتا ہے کہ مسلمان کے پاس کم سے کم چھڑی تو ہونی چاہیئے۔ پھر اس میں رعایت دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر چھڑی بھی نہیں تو ایک خط ہی اپنے سامنے کھینچ دے۔

ظاہر ہے کہ خط تو کسی درجے میں رکاوٹ کا کام نہیں دے سکتا۔ لہٰذا یہ محض ایک نفسیاتی عمل ہے کہ خط یہ احساس دلاتا رہے کہ نگاہ اور خیال کو اپنی حد کے اندر ہی رہنا چاہیئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ صوفیاء کرام نے جو اشغال تجویز کیے ہیں ان سب سے مقصود اصلی یہ ہے کہ جمعیت خاطر اور یکسوئی کا حصول۔ قلب میں انتشار پیدا ہونے کی وجہ مختلف افکار ہوتے ہیں۔ اشغال سے قلب کو جمعیت کا خوگر بنایا جائے تا کہ اللہ کی طرف پوری توجہ ہو جائے مبتدی کے لئے مشکل یہ ہے کہ ذاتِ باری ادراک سے باہر ہے۔ پھر یکسوئی کیسے حاصل ہو۔ اس لئے تدبیر کے طور پر یہ اشغال تجویز کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح حلقۂ ذکر میں چراغ گل کر دینا اور آنکھیں بند کر لینا بھی اسی جمعیت خاطر کے حصول کی تدبیر ہے۔ اور حدیث میں سترہ کا حکم صوفیائے کرام کے اس عمل کا ماخذ ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کیونکہ بتصریح علماء اسرار۔ مقصود سترہ سے بھی جمع خاطر اور ربط خیال اور نفی انتشار ہے۔ جیسا ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے اور سترہ اسکی تدبیر ہے۔"

باتیں اُنکی خوشبو خوشبو

ارشاداتِ شیخ العرب والعجم حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

فرمایا :-

فرائض کی پابندی کریں ۔ جب بھی جہاں بھی اور جتنا وقت ملے ہمہ تن اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں ۔ اٹھتے بیٹھتے لا الٰہ الا اللہ کثرت سے پڑھا کریں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی پر درود کثرت سے پڑھا کرو ۔ سنت کی پابندی کرو ۔ ذکر شام و سحر (بعد نماز مغرب اور بوقت تہجد) پابندی سے کرو ۔

فرمایا :-

میرے پاس جو بھی آئے خالصتہ لوجہ اللہ آئے ، خلوص لے کر آئے ۔ اگر دل میں خلوص نہ ہو ، چالیس سال ، سو سال بلکہ ہزار سال بھی (اگر اتنی عمر عطا ہو جائے) رہے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا ۔ جب تک میرے ساتھ عقیدت نہ ہوگی ، فائدہ نہ ہوگا ۔ کیونکہ اس چیز کا تعلق دل کے ساتھ ہے ، یہ قلبی چیز ہے ۔ کوئی خلوص لے کر میرے پاس آئے تو پھر بفضلہ تعالےٰ خالی نہ جائے گا ۔ میں تحدیثِ نعمت کے طور پر کہتا ہوں انا من الرجال لا یشقیٰ جلیسھم ۔

فرمایا :-

میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں، صوفیہ کرامؒ کے نزدیک ایک مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص پیر یا مرشد کے پاس یا کسی ولی اللہ کی قبر پر فیض کے حصول کے لئے جاتا ہے اور اسکی صحبت میں دس پندرہ سال رہتا ہے، فائدہ نہیں ہوتا۔ اور پھر بھی اسی طرح اسکی عقیدت میں جما رہے اسے وہ شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ شخصیت پرستی اور بُت پرستی ہے۔

فرمایا :-

اوّل تو جاہل پیر سے بیعت ہی حرام ہے۔ اور پھر ایسی بیعت کرنے والا اور لینے والا دونوں بدکار ہیں۔ ایک اندھا کسی اندھے کو کسی کھڈ میں ہی گرائے گا جاہل جاہل کی کیا رہنمائی کرے گا:

خفتہ را خفتہ کے کُند بیدار

فرمایا :-

یہ کوئی محض رسمی یا روایتی پیری مریدی یا پیروں کی طرح کی "گدی نشینی" والا معاملہ نہیں۔ جس نے اللہ کی رضا کے لئے میرے پیچھے چل کر یہ چیز حاصل کی، جس میں اسکی زیادہ اہلیت ہوئی جو اس کو سنبھالنے کا مستحق ہوگا وہ میرے بعد یہ کام کر سکے گا۔

فرمایا :-

میں نے اس کام میں بڑی مدت صرف کی ہے۔ یہ جماعت میں نے بڑی محنت، مجاہدہ اور جانفشانی سے تیار کی ہے۔ یہ اور میرا یہ سارا کام اللہ کی رضا کے لئے ہے، اس کے دین کے خاطر ہے۔ میں نے یہ دنیاداری کے لئے نہیں کیا۔

فرمایا :-

اگر میرے پاس دس کروڑ یا دس ارب روپے بھی ہوں تو بفضلہ تعالےٰ میرے دل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو گا ۔ مجھے اس دولتِ دنیا کی جانب رغبت نہیں ۔ مجھے صرف اللہ تعالےٰ کی ذات سے محبت ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے دین کا بول بالا ہو ۔ میری ساری زندگی اسی مجاہدہ میں گزری ہے ۔ میں نے تعلیم ، تدریس ، تبلیغ ، مناظرہ تصنیف و تحریر اور تربیت سلوک و تصوف سارے امور میں ہمیشہ رضائے باری تعالیٰ ہی کو پیشِ نظر رکھا ہے :

نہ شیخی و مشیخت را طلب گار نہ دنیا و وظائف را خریدار

فرمایا :-

مجھے جتنا فائدہ (روحانی) ہوا ، یہ سارے کا سارا مجھے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے ناموس کی حفاظت پر اور ان کی جوتیوں سے ملا ہے ۔ میں ہمیشہ صحابہؓ کے ناموس کیلئے فرقِ باطلہ سے لڑتا رہا ہوں اور آئندہ بھی ان سے لڑتا رہوں گا ۔ اس لئے آپ بھی اسکی کوشش کریں ، ڈٹ کے رہیں ، علم حاصل کریں اور مطالعہ کیا کریں ۔ اسکی عادت ڈالیں ، بے علم آدمی کچھ نہیں کر سکتا :

کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

فرمایا :-

پاکستان بننے کے بعد مختلف جماعتوں نے مجھے اپنی جانب دعوت دی ، بڑی بڑی تنخواہوں اور مراعات کا لالچ دلایا مگر میں ہمیشہ تن تنہا اکیلا ہی دین کا کام کرتا رہا ۔ میں نے اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے متعلق پوچھا تو میرے محبوب شیخ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھے اس منع فرما دیا تھا کہ کسی جماعت میں شامل نہ ہونا " یہ جماعتیں نہیں تجارت کی کمپنیاں ہیں " عالمِ ربانی کو کسی سے ڈرنا نہیں چاہیئے ، اللہ پر بھروسہ کر کے تن تنہا اپنے کام میں لگے رہنا چاہیئے ۔ جس وقت تک اس کی ڈیوٹی ہے ۔ اللہ اس کی حفاظت فرمائے گا ۔ ڈیوٹی پوری ہو جائے گی تو وہ پنشن دے کر بلا لیا جائے گا ۔ بعینہٖ حضرت رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے یہی الفاظ تھے ۔ اس کے بعد تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا " آپ خود بھی تو ایک

جماعت ہیں۔ یہ اہل اللہ جس قدر ہیں دنیا میں اور یہ جو برزخ میں ہیں، یہ اہل اللہ سب آپ کی جماعت ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور بڑی جماعت کون اور کہاں ہوگی؟

فرمایا:۔

اہل اللہ اور علمائے ربانی کی زندگی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی مخلوق کو جو اس سے کٹ چکی ہے پھر اسی سے جوڑ دیا جائے۔ جس کا جی چاہے وہ قرآن کریم کو غور سے دیکھے، سینکڑوں آیات ایسی ملتی ہیں جن میں توجہ الی اللہ کی دعوت دی گئی ہے جن میں یہ فرمایا گیا ہے کہ دنیا ومافیہا سے کٹ کر، یکسو ہوکر، متوجہ الی اللہ ہوکر، اسی کے ہو جاؤ۔

فرمایا:۔

شریعت مطہرہ کی تعلیمات کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے اور اس کا مقصد ومدعا یہ ہے کہ

"غیر اللہ سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ جُڑ جاؤ، اس کے ہو جاؤ۔"

اندھیروں سے اجالوں تک

زاہد علی زاہد، عصب، ابوظہبی

زمانۂ تعلیم تک کبھی کبھار نماز کی باقاعدگی کی توفیق ہوتی تھی کہ زندگی کی ظاہری رنگینیاں فرائض و واجبات تک سے غفلت کا موجب بنتی رہیں۔ احساسِ گناہ دل میں موجزن تو تھا مگر نفسِ امارہ اس احساس کو تھپک تھپک کر سلاتا رہا۔ اچانک ۳۱ اکتوبر ۶۹ء کو یہ ارادہ باندھا کہ آج کے بعد سنیما کا رخ نہ کروں گا۔ اور فلم نہ دیکھوں گا۔ وقت اور رقم کا ضیاع بھی ہے اور اخلاقیات کی بربادی بھی۔ اسی سال رمضان المبارک میں توفیقِ ایزدی سے پنجگانہ نمازوں کی باقاعدگی اختیار کی۔ ۷۰ء کے آغاز میں اتباعِ نبوی ﷺ میں داڑھی رکھنے کا قصد کیا۔ تو گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا۔ گھر سے باہر تک بھانت بھانت کی بولیاں اور تبصرے ہونے لگے۔ پند و نصائح کے ساتھ ساتھ میرے مہربانوں نے خوب آوازے بھی کسے۔ "نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی" وغیرہم۔

احسانِ باری تعالیٰ ہے کہ یہ کٹھن مرحلہ بھی بخوبی طے ہوا اور کوئی آواز ضمیر کے درست فیصلہ کو نہ دبا سکی۔ ۷۱ء کے اوائل میں ایک محترم عزیز کی تحریک پر سلسلہ عالیہ قادریہ کے ایک مرشد کے ہاتھ پر بیعت ہو گیا۔ انہوں نے صرف لطیفۂ قلب کی تعلیم دی اور بعد نمازِ مغرب تنہائی میں ذکرِ قلبی کی تلقین کی۔ یہاں تک تو بات سمجھ میں آ گئی۔ مگر ہر سال حضرت غوث الاعظمؒ کا عرس منانے اور قوال کے چند مضطرب بولوں کی تکرار پر سماع کی منطق بالکل سمجھ نہ آ سکی۔ گو کئی سال اسی طرزِ عمل پر گامزن رہا مگر اطمینانِ قلب میسر نہ آیا۔ نہ ہی لطیفۂ قلب راسخ ہو سکا۔ اپنے مرشد سے محض عقیدت کی حد تک تعلق رہ گیا۔ یہ رابطہ سات سال کے طویل عرصہ پر محیط رہا۔ غمِ روزگار ۷۸ء میں سعودی عرب ۷۹ء میں بحرین و کویت اور ۸۰ء میں ابوظہبی (متحدہ عرب امارات) لے آیا۔

اور تا دمِ تحریر یہیں ہوں۔ یہاں ہر جگہ مختلف فقہاء کی اتباع کے باعث ذہن ڈگمگا گیا۔ گذشتہ افکار غتر بود ہونے لگے۔ حدیثِ مبارکہ اور قرآنِ کریم کی تفاسیر کے مجرد مطالعہ سے انفرادی فکر جنم لینے لگا۔ کتنے ہی سوالات لوحِ ذہن پر ابھرنے لگے۔ انجام کار ایک سوالنامہ مرتب کیا اور اپنے اشکال تحریر کی صورت میں کراچی کے ایک دارالعلوم کو ارسال کئے۔ وہاں کے دارالافتاء نے جواب میں کئی ضخیم کتب کے حوالہ جات دئے جنہیں پڑھنا اور ہضم کرنا میری استطاعت سے بالاتر تھا۔ کراچی میں مقیم اپنے بزرگ چچا جان سے درخواست کی کہ وہ میرے ذہنی اطمینان کا اہتمام کریں۔ اور موجودہ ذہنی خلجان کا مداوا کریں۔ انہوں نے ذاتی دلچسپی اور کاوش سے مولانا یوسف لدھیانوی صاحب کو میرے مذکورہ اشکال پر مشتمل سوالات کا جواب لکھنے پر آمادہ کیا۔ ۸۲ء میں یعنی قریباً سال بھر بعد مجھے "اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم" حصہ اول، دوم مطالعہ کے لئے میسر آئیں۔ جن سے کافی اوہام و شکوک رفع ہو گئے۔ سلوک اور تصوف کے بارے میں پہلی بار علمی طور پر شناسائی ہوئی۔ اس جستجو کا تذکرہ اپنے ایک مہربان فیض میانہ صاحب سے ہوا۔ جو تبلیغی جماعت سے خاصے وابستہ ہیں۔ انہوں نے میری تشفی کے لئے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مصنفہ، شریعت اور طریقت" عطا فرمائی۔ نصوصِ قرآنی اور احادیثِ مبارکہ کے مدلّل حوالوں سے مناصب سلوک اور منازلِ سلوک سے پہلی مرتبہ واقفیت ہوئی۔ شیخِ کامل کی جو صفات حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تحریر کیں۔ ان کا پَر تو ابھی تک میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔ جنوری ۸۲ء میں فیصل آباد میں بزرگوارم مزمل حسین شاہ صاحب سے اس موضوع پر بات ہوئی تو انہوں نے بتلایا کہ ہمارے شیخِ مکرم نے بھی ایک عمدہ کتاب "دلائل السلوک" کے عنوان سے تحریر فرمائی ہے۔ کتابوں کے مطالعہ کا خاصا شغف ہو چکا تھا۔ اسی شوقِ طلب میں دلائل السلوک سمیت حضرت شیخ المکرم کی چند دیگر تصانیف بھی ان سے حاصل کیں جو اپنے روزگار پر لوٹ کر رفتہ رفتہ پڑھتا رہا۔ دلائل السلوک کے مطالعہ سے ایسا شرحِ صدر ہوا کہ دل کی دنیا میں تہلکہ مچ گیا۔ حضرت شیخ المکرم کی یہ دعوت دل کے اندر ترازو ہو گئی کہ "کوئی آج بھی طلبِ صادق کے ساتھ میرے پاس آجائے تو بفضلِ تعالیٰ چھ ماہ کے اندر اسے تمام منازلِ سلوک طے کروا کے بارگاہِ نبویؐ میں روحانی بیعت کروا سکتا ہوں۔ روحانی بیعت بھی ایسی کہ سالک خود محسوس کرے کہ وہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستِ اقدس تھام رہا ہے۔" جذبوں کی صداقت الفاظ کی اوٹ سے بین السطور جھلک رہی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ

کون سی گھڑی آئے کہ ایسے عظیم شیخ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو جاؤں۔ لیکن جب بزرگانِ دین کی طلبِ صادق کا معاملہ بڑھتا تو گڑبڑا جاتا کہ کہیں میں دھتکارا نہ جاؤں کہ باطن رذائل سے بھرپور ہے اور لذاتِ دنیاوی کے نشے میں چور ہے۔ اسی کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا کہ مبادا شیخ مکرم مجھے بیعت ظاہری کی سعادت کا سزاوار بھی سمجھیں گے یا نہیں۔

حضرت الیاس صاحب کا یہ احسان زندگی بھر فراموش نہ کر سکوں گا کہ جو بالخصوص میری خاطر رحیم یار خان سے ملتان تشریف لائے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کبھی نقشبندیہ طریقہ پر ذکرِ خفی کیا ہے؟ میں نے انہیں بتایا کہ سلسلہ قادریہ میں لاالٰہ الا اللہ کا ذکرِ قلبی کیا ہے اور وہ بھی ایک مدت قبل کا معاملہ ہے۔ لطائف اور ان کے مقامات سے مجھے سرے سے کوئی واقفیت نہ تھی۔ انہوں نے تمام لطائف اور ان کے مقامات اور ذکرِ خفی کی تفصیل سے روشناس کروایا۔ پھر اپنے ہمراہ ذکر اور مراقبہ کروایا۔ دورانِ ذکر یوں محسوس ہوا گویا ایک مقناطیسی قوت میرے پورے وجود کو کھینچ رہی ہے۔ میں محوِ حیرت تھا کہ جس شیخ کے ایک ارادتمند کے باطنی تصرف کا یہ عالم ہے۔ اس شیخ کی عظمت کا کیا کیفیت ہوگی۔

۷ رجولائی ۸۳ء منگل کی شب بذریعہ بس چکڑالہ کے لئے روانہ ہوئے۔ قریباً نو بجے صبح حضرت شیخ المکرم کے دولت کدہ پر پہنچے۔ عین الیقین سے ایک عامیانہ اور سادہ دیہاتی گھرانے کا نقشہ نظروں کے روبرو پا کر تصنع اور بناوٹ کے تمام بت پاش پاش ہو گئے۔ حضرت جی صبح کی مجلس برخاست فرما چکے تھے۔ ظہر کے بعد دوبارہ آپ کے جلوہ افروز ہونے کی امید تھی۔ نمازِ ظہر کی ادائیگی کے بعد نگاہیں بے چین تھیں کہ اس مردِ مومن کا دیدار کر سکیں جس نے ہزارہا نفوس کی اصلاحِ باطنی کا عظیم فریضہ تنِ تنہا بہ حسن و خوبی انجام دیا ہے۔ آخر وہ ساعتِ سعید آ گئی جب یہ تشنگی تمام ہوئی اور آرزو پوری ہوئی۔ ضعیفی اور نقاہت کے باوجود چہرہ مبارک پر جمال و جلال، رونق اور وقار کی فراوانی تھی۔ نگاہیں از خود احترام اور ادب سے جھک گئیں۔ وارفتہ وار دست بوسی کے لئے قدم آگے بڑھ گئے۔ کیا حسنِ سادگی اس محفل میں عیاں تھا۔

؎

نے تاجِ شاہ میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

سادہ اور تصنع سے خالی دل نشین گفتگو مطالب کے موتی بکھیر رہی تھی۔ تکلف اور بناوٹ کا دُور دُور تک کوئی نشان نہ تھا۔ ان کی شفقت اور مروت کی افراط سے یہ اندازہ ہی نہ ہوتا تھا کہ ہم عصرِ حاضر کے عظیم شیخ کی بارگاہ میں ہیں۔

مجھے تو شاید لب کشائی کی بھی جسارت نہ ہوتی کہ محترم الیاس صاحب نے مجھ سمیت دیگر ساتھیوں کو بیعتِ ظاہری کے لئے خواہش کا اظہار کیا۔ تو حضرت جی نے فرمایا کہ وہ عصر کے بعد بیعت لیں گے تو اطمینان کی ایک لہر رگ وپے میں دوڑ گئی کہ حضرت جی ہمیں اپنے دامنِ شفقت کو تھامنے کی اجازت دے رہے ہیں۔ بعد از عصر وہ مبارک گھڑی بھی آ پہنچی جب انہوں نے مجھ گنہگار اور بدکار کو اپنی بیعت کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔

بالکل سادہ سے پیرایۂ بیان میں اتباعِ شریعت اذکارِ لسانی اور ذکرِ خفی کی باقاعدگی کی تاکید فرمائی۔ بیرونِ ملک ملازم ہونے کی وجہ سے مجھے غیر مسلم ممالک سے درآمدہ گوشت اور کیک وغیرہ کے استعمال سے پرہیز کی نصیحت بھی فرمائی کہ غیر مسلم ممالک سے درآمدہ ان چیزوں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ رزقِ حلال نہ ہو تو عبادات بھی فائدہ نہیں دیتیں۔ معاملات اور حقوق العباد میں صفائی کی خصوصی تلقین فرمائی۔ فرمایا شریعتِ مطہرہ کی حیثیت جسم میں سر کی مانند ہے۔ سر قائم رہے گا تو ہی جسم برقرار رہے گا ورنہ نہیں۔ فرمایا جتنے بھی کمالات اور مناصبِ سلوک ہیں سب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعلین مبارک کی دھول میں سے ملتے ہیں۔ شریعت کی کامل اتباع سے ہی کامیابی اور فلاح ممکن ہے۔ ۸ر جون کی شب حضرت جی کے ہاں ہی بسر ہوئی۔ ابوظہبی کے احبابِ سلسلہ اور امیر صاحب کے پتے بھی وہیں سے حاصل کئے۔ ۹ر جون کی صبح دورانِ مجلس حضرت جی سے اجازت لے کر واپسی کی راہ لی۔

ابوظہبی واپس پہنچ کر حسبِ سابق شہر سے قریباً ۲۰۰ کلومیٹر دور واقع صحرائی خطہ عصب میں آ گیا۔ جہاں اب تک حصولِ روزگار کا ظاہری حیلہ بنا ہوا ہے۔ یہاں سے امیرِ حلقہ ابوظہبی محترم آفتاب صاحب کو عریضہ ارسال کیا۔ انہوں نے فوراً پذیرائی فرمائی اور مفصل جوابی شفقت نامہ سے نوازا۔ اگست ۸۳ء میں ابوظہبی ٹاؤن جانے کا موقع ملا۔ تو حلقہ کے فعال ساتھی سید فہیم الرحیم صاحب میری راہنمائی کے لئے میری اقامت گاہ سے مجھے مرکز تک پہنچانے کے لئے تشریف لائے۔ جملہ احباب کمال شفقت اور محبت سے پیش آئے گویا میں ان کے گھرانے کا ایک فرد ہوں۔ شہر میں دو شب و روز بسر کرنے کے بعد پھر صحرا لوٹنا پڑا۔ ستمبر ۸۳ء کے اواخر میں وطن گیا تو ۷ر اکتوبر کی صبح حضرت جی کی خدمت اقدس میں دوبارہ حاضر ہوا۔ حضرت جی سے عرض کی جہاں میں ہوں وہاں تنہا ہی معمول کرتا ہوں کوئی اور ساتھی میسر نہیں آپ دعا فرمائیں کہ ساتھی میسر آ جائیں تاکہ اجتماعی حلقۂ ذکر کی فضیلت پا سکوں۔ انہوں نے دریافت فرمایا کہ وہاں اور پاکستانی بھی ہیں۔ میں نے بتلایا کہ وہاں کچھ پاکستانی بھائی ہیں۔ لیکن اپنی کم ہمتی کے

باعث کسی اور کو دعوت نہیں دے سکا۔ انہوں نے فرمایا: اللہ کو منظور ہوا تو اور ساتھی بھی ہو جائیں گے۔ میں نے ابوظہبی کے احبابِ سلسلہ کے اخلاص و محبت کا خصوصی ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ سب احبابِ سلسلہ ایک ہی رشتے میں پیوست ہیں۔ یہ فطری محبت ہے۔ ایسی ہی شفقت آمیز گفتگو شام کی مجالس میں بھی ہوتی رہی۔ مغرب کے وقت حضرت جی سے اجازت لے کر واپس ہو گیا۔ کسے علم تھا کہ حضرت شیخ المکرم کی حیاتِ طیبہ میں درِ اقدس پر یہ آخری حاضری ہے ورنہ اپنے بس میں ہوتا تو لمحات کو مقید کر لیتا، لحظوں کو اسیر کر لیتا کہ یہی کچھ زندگی کا سرمایہ اور قیمتی اثاثہ ہے۔ لنگر مخدوم کے تاریخی اجتماع سے چند روز قبل مجھے واپس ڈیوٹی پر پہنچنا پڑا۔ اس محرومی کا احساس آج بھی حواس مختل کئے دیتا ہے۔

واپس آکر حضرتِ اقدس کی خدمتِ عالیہ میں عریضہ ارسال کیا کہ ذکرِ خفی اور انتہائے مراقبہ میں خیالات اِدھر اُدھر بھٹکتے ہیں۔ یکسوئی نہیں رہتی۔ دعا اور توجہ کا محتاج ہوں کہ یہاں ساتھیوں کی سبیل نکل آئے اور ذہنی یکسوئی حاصل ہو جائے ابھی میرا عریضہ اغلباً راہ ہی میں ہوگا کہ ۴ نومبر ۸۳ء کو حضرت شیخ المکرم کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی۔ مجھے اداس دیکھ کر ڈھارس بندھائی اور فرمایا ہم تو بہت کچھ دینا چاہتے ہیں۔ لیکن کوئی کام بھی امرِ ربی کے بغیر انجام نہیں پاتا۔ جب تک اِدھر سے اشارہ نہ ہو ہم کچھ نہیں دے سکتے۔

دریں اثناء دسمبر کے اواخر میں ابوظہبی ٹاؤن جانے کا موقع ملا تو محترم آفتاب صاحب نے مجھے مراقباتِ ثلاثہ سے آشنا کروایا۔ اگلے روز یہاں لوٹتے ہی ایک پاکستانی دوست عزیز حسین شاہ صاحب نے مجھ سے کہا کہ میرا دل مطمئن نہیں رہتا مجھے کوئی وظیفہ بتلائیں۔ میں نے انہیں کہا کہ سکونِ قلب کے لئے میں اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق صبح و مسا ذکرِ قلبی کرتا ہوں۔ انہوں نے آمادگی ظاہر کی۔ بعد از عصر انہیں لطیفۂ قلب سے آشنا کروایا اور ان کے ہمراہ ذکر اور مراقبہ کیا۔ میں تو ان کے کمرہ سے واپس اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ مگر ان کے پڑوس میں مکین کئی افراد نے انہیں گھیر لیا کہ آپ اکیلے ہی کیا نعمتیں لوٹ رہے ہیں۔ ہمیں بھی بتائیں۔ وہ میرے پاس چلے آئے۔ اور کہنے لگے کہ کئی اور ساتھی بھی ذکرِ قلبی کے خواہاں ہیں۔ کسی محنت کے بغیر اللہ تعالیٰ نے آٹھ ساتھیوں کا حلقۂ ذکر بنا دیا۔ اسے میں اپنے عظیم المرتبت شیخ کے باطنی تصرف کا اعجاز سمجھتا ہوں۔ اگر مجھ سے میرے شیخ المکرم کی کرامت کے بارے دریافت کیا جائے تو میں تنہا اسی مثال کو اس سوال کا کافی جواب سمجھتا ہوں۔ الغرض میں نے فی الفور حضرت آفتاب صاحب کو فون پر مطلع کیا تو وہ بہت ہی خوش ہوئے اور مبارکباد کے ساتھ یہ تاکید کی کہ سب ساتھیوں کو تمام لطائف تبلا دیں

اور جملہ شرائط سے آگاہ کر دیں۔ ان کے اس حکم کی تعمیل کے ساتھ ساتھ میں نے حضرت شیخ المکرم کی خدمت میں تفصیلی عریضہ ارسال کیا جس میں اس لق و دق صحرا میں ذاکرین کی جماعت تشکیل ہونے کی خوشخبری دی۔ ابھی یہ عریضہ بھیج حوالۂ ڈاک کیا تھا کہ ۲۹ر دسمبر ۸۳ر کو حضرت شیخ المکرم کی زیارت دوبارہ نصیب ہوئی۔ خواب کے دوران یوں محسوس ہوا گویا وہ عصب کے اس صحرا میں ہی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ان سے کسی اور نے بات کرنے کی اجازت چاہی۔ مگر آپ نے اجازت نہ فرمائی۔ میں نے اجازت مانگی تو بخوشی اجازت مرحمت فرمائی۔ میں نے عرض کیا یا شیخ! خوشخبری یہ ہے کہ کسی تبلیغ اور تحریک کے بغیر ایک ساتھی نے خود ہی ذکرِ قلبی کی خواہش ظاہر کی۔ اسے ذکر سے آگاہ کیا تو اگلے روز مزید ساتھیوں نے بھی یہی خواہش ظاہر کی اور یوں بفضلِ تعالےٰ یہاں بھی حلقۂ ذکر قائم ہو گیا اور آپ کا فیض جاری ہو گیا ہے۔ حضرت جی مسکرائے اور فرمایا: ابھی اور ساتھی بڑھیں گے۔ یہ اللہ کا کرم ہے۔ میں نے عرض کیا ساتھی بیعت کے خواہاں ہیں تو حضرت جی نے سکوت اختیار فرمایا۔ پھر مجھے قریب کیا اور سینہ مبارک سے میرا سینہ ملا کر قدرے بھینچا اور فرمایا تمہارے اندر عقل کی کمی ہے۔ میں تعبیرِ خواب کے فن سے ناآشنا ہوں۔ دریں چہ شک کہ میں بہت ہی عاجز اور بے کار سا آدمی ہوں۔ میں کیا اور میری بساط کیا۔ **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء**۔ جیسا کہ حضرت بیگ صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ یہ انتخاب کی بات ہے کہ اللہ کس سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔

۱۸ر جنوری ۸۴ر کو اپنی رخصت پر گھر پہنچا تو حضرت جی کا شفقت نامہ منتظر تھا۔ انہوں نے تحریر فرمایا تھا کہ ۱۲ر اور ۱۳ر جنوری کو اس ماہ کا اجتماع ہو رہا ہے۔ آئندہ اجتماع ۹ر اور ۱۰ر فروری کو ہوگا۔ مصمم ارادہ یہی تھا کہ انشاءاللہ العزیز ۸ر فروری کو ماہانہ اجتماع میں شرکت اور حضرت جی کی زیارت کی غرض سے چکڑالہ جاؤں گا تاکہ جملہ اکابرین مدظلہم کی زیارت اور صحبت سے بھی مستفید ہو سکوں کیونکہ اب تک اس سعادت سے محروم تھا۔ اچانک ۷ر فروری کی شب امیرِ حلقہ ملتان محترم حاجی اسلم صاحب سے معلوم ہوا کہ حضرت جی سخت علالت کی حالت میں ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں داخل کئے گئے ہیں اور ابھی ان کی صحت قابلِ تشویش ہے۔ دل بے چین ہو گیا۔ ۹ر فروری کو راولپنڈی پہنچا۔ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ اکابرین مدظلہم سے تاحال شناسائی اور ملاقات نصیب نہ ہوئی تھی۔ حسنِ اتفاق سے وارڈ کے باہر حضرت بیگ صاحب مدظلہ ہی ملے تو کسی ناواقف اور انجان شخص کی مانند ان سے حضرت جی کا کمرہ معلوم کرنے کی کوشش کی تو قریب ہی کھڑے ہوئے ایک صاحب نے بتلایا آپ نہیں جانتے یہ حضرت بیگ صاحب ہیں۔

ہیں وارفتگی سے ان کے ساتھ بغل گیر ہو گیا۔ ان سے حضرت جی کی صحت کی بابت دریافت کیا۔ انہوں نے بہت شفقت سے بتایا کہ حضرت جی بفضلِ ربی پہلے سے بدرجہا بہتر ہیں اور بنفسِ نفیس گفتگو بھی فرما رہے ہیں۔ ان کی کیفیت خاصی اطمینان بخش ہے یہ فرحت بخش خبر سنتے ہی حضرت جی کے کمرہ میں داخل ہُوا تو اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ حضرت جی پورے اطمینان سے گفتگو فرما رہے ہیں۔ ان کے قریب حضرت مطلوب صاحب اور کرنل اکرم صاحب موجود تھے۔ اسی دوران حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہٗ بھی تشریف لے آئے۔ یوں کچھ اکابرین کا دیدار ہُوا۔ ۱۱ر فروری کو حضرت جی کی صحت اور طبیعت کافی سنبھل گئی۔ تو انہیں ہسپتال سے رخصت کر دیا گیا۔ حضرت جی اسلام آباد ہی محترم فضل کریم بٹ صاحب کے ہاں فروکش ہوئے۔ ۱۳ر فروری کی شب بعد از عشاء بادلِ نخواستہ حضرت جی سے واپسی کی اجازت چاہی۔ اس وقت بھی آپ نہایت اطمینان سے گفتگو فرما رہے تھے۔ گمان تک نہ تھا کہ آپ چند روز کے مہمان ہیں۔ ۱۴ر فروری کو ملتان واپس آگیا۔ ۱۸ر فروری کی شام محترم حاجی اسلم صاحب کے دولت کدہ پر حاضر ہُوا۔ انہوں نے بتلایا کہ وہ آج ہی اسلام آباد سے واپس آئے ہیں۔ شیخ المکرم کی صحت بظاہر بہتر ہے۔ رات ڈیڑھ بجے حاجی محمد اسلم صاحب غریب خانہ پر تشریف لائے اور یہ رُوح فرسا خبر سنائی کہ حضرت جی ہم سے پردہ فرما کر شام ساڑھے چھ بجے واصل الی الحق ہو چکے ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ دل کی دنیا زیر وزبر ہو گئی۔ دل گرفتہ ۱۹ر فروری کو قبل از عصر چکڑالہ پہنچا تاکہ رُخِ انور کا آخری دیدار کر سکوں۔ ۹ر فروری کی بجائے ۱۹ر فروری کو کیسی عجیب وغریب کیفیت میں حضرت جیؒ کے جنازہ اور تدفین کے موقع پر جملہ اکابرین مدظلہم کی زیارت ہوئی۔ اللّٰہ اللّٰہ حضرت جیؒ کیا ہستی تھے جن سے اکتسابِ فیض کرنے والے اکابرین اپنی اپنی ذات میں انجمن ہیں۔ ہر ایک کا اپنا اپنا ایک منفرد رنگ اور ڈھنگ ہے جو ہزاروں سالکین کیلئے بے پناہ شفقتوں کے انمول موتی نچھاور کر رہے ہیں۔ کس کس کی تعریف اور توصیف کی جائے۔ مجھے تو جس سے بھی علاقہ رہا اس نے مجھے اَن گنت چاہتوں سے نوازا ہے۔

میں بے نصیب بھی ہوں کہ شیخ مکرمؒ کے دامنِ الفت سے بہت تاخیر سے وابستہ ہُوا اور ان کی صحبت کی بے پایاں سعادت سے تادیر فیض یاب نہ ہو سکا۔ اور خوش نصیب بھی ہوں کہ پردیس میں ہونے کے باوصف قدرت نے یہ موقع فراہم کیا کہ اپنے عظیم شیخؒ کے جنازے کو کاندھا دینے کی سعادت اپنے دامن میں سمیٹ سکوں۔ اور ان کے آخری دیدار کی دولت سے بہرہ ور ہو سکوں۔

میں بہت ہی گناہ گار سا بندہ ہوں۔

میری زندگی معصیت سے پر ہے۔ نہ تو کوئی ادیب ہوں کہ اپنے محسوسات قلم بند کر سکوں۔ نہ ہی کوئی عارف کہ کیفیات کو الفاظ کا روپ دے سکوں۔ یوں بھی جذبوں کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔ حضرت مولانا اکرم صاحب دامت برکاتہم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اپنی آپ بیتی رقم کر رہا ہوں۔ حضرت شیخ المکرمؒ سے تعلق کے بعد پہلی بار باطنی رذائل منکشف ہو سکے ہیں۔ تزکیۂ نفس اور احوال کی اصلاح کی کوئی سبیل بنی ہے۔ گرچہ ابھی تک سرتا پا عصیان اور نسیان کا شکار ہوں۔ لیکن اتنا بھروسہ ضرور ہے کہ سواء السبیل اور صراط الذین انعمت علیہم والے فریق کی رہبری اور سرپرستی میں ہوں شاید رجال اللہ کے ساتھ تعلق اور توسل ہی اللہ رب العزت کے حضور سرخرو ہونے کا حیلہ بن جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں

تین باتوں کے لئے علم نہ سیکھنا چاہیئے

بحث —— فخر —— ریا

اور تین باتوں کے لئے ضرور سیکھنا چاہیئے

حیا اور زُھد کی معرفت کیلئے اور جہالت کو دُور کرنے کیلئے۔

حقیقتِ طریقت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح

خلاصۂ سلوک

۱۔ نہ اس میں کشف وکرامت ضروری ہے۔

۲۔ نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے۔

۳۔ نہ دنیا کی کار برآری کا وعدہ ہے کہ تعویذ گنڈوں سے کام بن جاویں یا دعا سے مقدمات فتح ہو جایا کریں یا روزگار میں ترقی ہو یا جھاڑ پھونک سے بیماری جاتی رہے یا ہونے والی بات بتلا دی جائے۔

۴۔ نہ تصرفات لازم ہیں کہ پیر کی توجہ سے مرید کی از خود اصلاح ہو جائے، اس کو گناہ کا خیال ہی نہ آوے، خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں مرید کو زیادہ ارادہ بھی نہ کرنا پڑے۔

۵۔ نہ ایسے باطنی کیفیات پیدا ہونے کی کوئی میعاد ہے کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے، عبادت میں خطرات ہی نہ آویں۔ خوب رونا آئے یا ایسی محویت ہو جائے کہ اپنے پرائی خبر ہی نہ رہے۔

۶۔ نہ ذکر وشغل میں انوار وغیرہ کا نظر آنا یا کسی آواز کا سنائی دینا ضروری ہے۔

۷۔ نہ عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا یا الہامات کا صحیح ہونا لازمی ہے۔

بلکہ

اصل مقصود حق تعالےٰ کا راضی کرنا ہے جس کا ذریعہ ہے شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا۔ ان حکموں میں بعض متعلق ظاہر کے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اور جیسے نکاح وطلاق وادائے حقوق اور جیسے لین دین، شہادت، وصیت، تقسیم ترکہ وغیرہ۔

اور جیسے سلام، کلام، طعام، منام وغیرہ۔ ان مسائل کو "علمِ فقہ" کہتے ہیں۔

اور بعض احکام متعلق باطن کے ہیں۔ جیسے اللہ تعالٰے سے محبت رکھنا، اس سے ڈرنا، اس کو یاد رکھنا، اور دنیا سے محبت کم ہونا، اور اللہ کی مشیت پر راضی رہنا، حرص نہ کرنا، عبادت میں دل کا حاضر رکھنا، دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا، کسی کو حقیر نہ سمجھنا، خود پسندی نہ ہونا، غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ۔ ان اخلاق کو "سلوک" کہتے ہیں۔ اور مثل احکام ظاہری کے ان احکام باطنی پر عمل کرنا بھی فرض واجب ہے۔ نیز ان باطنی خرابیوں سے اکثر ظاہری اعمال میں بھی خرابی آجاتی ہے۔ جیسے اللہ تعالٰے کی محبت میں کمی ہونے سے نماز میں سستی ہوگئی یا جلدی جلدی بلا تعدیل ارکان پڑھ لی۔ یا بخل سے زکوٰۃ اور حج کی ہمت نہ ہوئی یا کبر اور غلبۂ غضب سے کسی پر ظلم ہوگیا، حقوق تلف ہوگئے۔ ومثل ذالك۔

اور اگر ان ظاہری اعمال میں احتیاط بھی کی جائے تب بھی جب تک نفس کی اصلاح نہیں ہوتی وہ احتیاط چند روز سے زیادہ نہیں چلتی۔ پس نفس کی اصلاح ان دو سبب سے ضروری ٹھہری۔

لیکن یہ باطنی خرابیاں ذرا سمجھ میں کم آتی ہیں اور جو سمجھ میں آتی ہیں ان کی درستی کا طریقہ کم ہی معلوم ہوتا ہے اور جو معلوم ہوتا ہے نفس کی کشاکش سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے۔ ان ضرورتوں سے مرشدِ کامل کو تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے اور ان کا علاج اور تدبیر بھی بتاتا ہے اور نفس کے اندر درستی کی استعداد اور ان معالجات میں سہولت اور تدبیرات میں قوت پیدا ہونے کے لئے کچھ اذکار واشغال کی بھی تعلیم کرتا ہے۔ اور خود ذکرِ الٰہی اپنی ذات میں بھی عبادت ہے۔

پس سالک کو دو کام کرنے پڑتے ہیں ایک ضروری کہ احکامِ شرعیہ ظاہری اور باطنی کی پابندی ہے۔

دوسرا کام کثرتِ ذکر ہے۔

اس پابندئ احکام سے اللہ تعالٰے کی رضا اور قرب اور کثرتِ ذکر سے زیادہ رضا وقرب حاصل ہوتا ہے۔

یہ ہے خلاصہ سلوک کے طریق اور مقصود کا۔

افہام و تفہیم

ابُوسَعِید

امریکہ سے ایک خط اور اس کا جواب

خلاصۂ مضمونِ خط

"یہاں ہمارے ساتھ دنیا کے کئی ممالک سے آنے والے طالب علم یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم ہیں۔ مسلمان طلبہ کو دین کی دعوت، ذکر و فکر کی تلقین میرا مشغلہ ہی نہیں بلکہ فرض ہے۔ اس سلسلہ میں عرب کے طلبہ کا ایک ردِ عمل یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ تم کہتے ہو اگر استاذ مودودی نے یہ تعلیم دی ہے تو ہم تسلیم کر لیں گے ورنہ نہیں۔ اس معاملہ میں آپ میری رہنمائی کریں۔"

الجواب

اصول یہ ہے کہ غیر مشروط اطاعت اور اتباع کیلئے صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس مخصوص ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو یہ منصب حاصل نہیں۔ البتہ انسان کی ضرورت کیلئے یا مجبوری یہ ہے کہ ہر انسان ہر فن اور زندگی کے ہر شعبہ میں ماہر نہیں ہوتا۔ اس لئے اسے ماہرینِ فن سے رہنمائی حاصل کرنی پڑتی ہے پھر اس سلسلہ میں بھی مختلف ماہرینِ فن میں سے جس کسی ایک ہستی پر اسے اعتماد ہوتا ہے اسی سے پوچھتا ہے۔ اسی طرح دین کا معاملہ ہے کہ ہر شخص دینی علوم اور دینی احکام کا ماہر نہیں ہوتا لہٰذا علمائے دین میں سے جس پر اسے اعتماد ہوتا ہے کہ یہ شخص قرآن و سنت کا ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ ورع و تقویٰ میں بھی بے مثل ہے اسی کی بات مانتا ہے۔ اسی کا نام تقلید ہے۔ گویا تقلید انسان کی فطری ضرورت ہے۔ لہٰذا جن لوگوں کو دین کے معاملے میں مولانا مودودی پر

اسکا درجہ کا اعتماد ہے وہ یہ بات کہہ سکتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ مولانا مودودی تصوف و سلوک یا ذکر و فکر کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔ تو اس سلسلے میں ایک اصولی بات سمجھنے کے لائق ہے۔

کسی آدمی کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے جو کم سے کم الفاظ کہے جاتے ہیں وہ یہ ہیں کہ یہ شخص ان اوصاف کا مالک ہے جنہیں

Qualities of head & heart.

کہتے ہیں۔ یعنی ذہنی اور قلبی صلاحیتیں قابلِ رشک ہیں۔ اور یہ ایک مشاہدہ ہے کہ ہر شخص ان دونوں قسموں کی صلاحیتوں کا جامع نہیں ہوتا بلکہ ایسے افراد شاذ و نادر ہوتے ہیں۔

مولانا مودودی صاحب کا تعلق قسم اول سے ہے یعنی ذہنی صلاحیتیں رکھتے ہیں۔ اور اس فیلڈ میں ریسرچ کا کام ہو یا اصلاحی دونوں میں فلسفہ اور استدلال سے تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا مودودی نے اس فیلڈ میں بڑا کام کیا ہے زمانۂ حال کے غالب فلسفے مثلاً اشتراکیت کمیونزم، سوشلزم، یا ہیگل اور مارکس کے فلسفوں کا جواب جو انہوں نے تحریری شکل میں پبلش کیا، واقعی بڑا کارنامہ ہے۔

ان کا دوسرا کام یہ ہے کہ نئی نسل جو انگریزی تہذیب اور تعلیم سے مرعوبیت کا شکار تھی اسے اس دلدل سے نکال کر اس کا رخ اسلام کی طرف موڑ دیا اور کوشش کی کہ ان کا رویہ معذرت خواہانہ نہ ہو۔ یہ کام انہوں نے اس شدت سے کیا کہ ان کی رفتار بڑھتی چلی گئی۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان خطا کا پتلا ہے۔ معصوم عن الخطا صرف انبیاء کی ذات ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان ٹھوکر کھا جاتا ہے اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آہستہ آہستہ چلنے والے کو ٹھوکر لگے تو وہ گرنے سے پہلے ہی سنبھل جاتا ہے اور سرپٹ دوڑنے والا اگر ٹھوکر کھائے تو کبھی دانت ٹوٹتے ہیں اور کبھی کوئی ہڈی پسلی چور ہو جاتی ہے۔ اسی کلیے کے تحت مولانا مودودی نے بھی بعض اوقات ٹھوکریں کھائیں اور علمائے حق نے ایسی لغزشوں کی نشاندہی کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ اور تنقید و اصلاح کا سلسلہ تو دنیا میں قائم اور جاری ہے۔ بہر حال ان کا کام ذہنی نوعیت کا ہے۔ ہاں انہوں نے قلب کی دنیا Qualities of Heart سے انکار نہیں کیا۔ مگر چونکہ یہ ان کے عمل کا میدان نہیں تھا اس لئے اس سلسلے میں کوئی تفصیلی ہدایات یا نقشہ پیش نہیں کیا۔ البتہ اس کی ضرورت بلکہ اہمیت کا اعتراف ہی نہیں کیا بلکہ یہ اشارہ کر دیا کہ فن کی بات اہلِ فن سے پوچھو۔

جہاں تک قلب کی دنیا کی حقیقت کا تعلق ہے وہ لکھتے ہیں۔ " فقہ کا تعلق انسان کے ظاہری عمل سے ہے وہ صرف یہ دیکھتی ہے کہ تم کو جیسا اور جس طرح حکم دیا گیا ہے اس کو تم بجالائے

یا نہیں۔ اگر بجالائے ہو تو فقہ کو اس سے بحث نہیں کہ تمہارے دل کا کیا حال ہے۔ دل کے حال سے جو چیز بحث کرتی ہے۔ اس کا نام تصوف ہے۔"

(رسالہ دینیات۔ جون ۸۳ء صد ۱۴۶۔ ادارہ ترجمان القرآن لاہور)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"اسی طرح شریعت کے جتنے احکام ہیں ان سب میں فقہ صرف یہ دیکھتی ہے کہ تم کو جو حکم جس صورت میں دیا گیا تھا اسی صورت میں تم بجالائے یا نہیں۔ اور تصوف یہ دیکھتا ہے کہ اس حکم پر عمل کرنے میں تمہارے اندر خلوص اور نیک نیتی اور سچی اطاعت کس قدر تھی۔ (ایضاً صد ۱۴۷)

اب آپ غور کریں کہ احکام کی پابندی کی صرف ظاہری شکل زیادہ اہمیت رکھتی ہے یا اس کی حقیقی روح۔ اور جب تصوف کا کام ہی اس کی روح سے متعلق ہے تو تصوف سے انکار کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

پھر اس ظاہر و باطن کی حیثیت کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔

"جس شخص کی ظاہری اطاعت درست ہے مگر باطن میں اطاعت کی روح نہیں۔ اس کے عمل کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آدمی خوبصورت ہو مگر مردہ ہو۔ اور جس شخص کے عمل میں تمام باطنی خوبیاں موجود ہوں مگر ظاہری اطاعت درست نہ ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بہت شریف اور نیک ہو۔ مگر بدصورت اور اپاہج ہو۔ (ایضاً صد ۱۴۸)

سوچیئے کہ مردہ اگر خوبصورت ہو بھی تو کس کام کا۔ اور زندگی نام ہی تصوف کا ہے۔

پھر آگے فرماتے ہیں:

"کوئی ایسا شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح پیروی نہ کرتا ہو اور آپؐ کے مقرر کئے ہوئے طریقے کا پابند نہ ہو مسلمان صوفی کہلائے جانے کا مستحق ہی نہیں تصوف تو درحقیقت خدا اور رسول کی سچی محبت بلکہ عشق کا نام ہے اور عشق کا تقاضا یہ ہے کہ خدا کے احکام اور اس کے رسول کی پیروی سے بال برابر بھی انحراف نہ کیا جائے۔ پس اسلامی تصوف شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ شریعت کے احکام کو انتہائی خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ بجالانے اور اطاعت میں خدا کی محبت اور اس کے خوف کی روح بھر دینے ہی کا نام تصوف ہے۔" (ایضاً صد ۱۴۹)

مودودی صاحب کو جب یہ تسلیم ہے کہ تصوف درحقیقت اللہ و رسول کی سچی محبت بلکہ عشق کا نام ہے تو کیا اس امر کا ذرہ برابر بھی امکان ہو سکتا ہے کہ مودودی صاحب یا کوئی دوسرا مسلمان تصوف سے انکار کر دے۔

جس طرح علم پڑھنے سے آتا ہے اسی طرح تصوف سیکھنے اور عمل کرنے سے آتا ہے۔ جس طرح علم کے حصول میں استاد کی ضرورت ہے اسی طرح تصوف سیکھنے میں بھی استاد کی

ضرورت ہے اور ہر فن کی اصطلاحات اپنی ہوتی ہیں تو اس فن میں استاد کو شیخ یا مرشد کہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ علم اور تصوف یا ذہن اور قلب کا آپس میں وہی تعلق ہے جو تھیوری اور پریکٹیکل میں ہوتا ہے۔

تصوف سیکھنے کے لئے اہل فن نے قرآن حکیم کی ستر سے زائد آیات اور حدیثِ رسول کے عظیم ذخیرے سے تصوف کا جو نصاب اختیار کیا ہے اس کی ابتدا بھی ذکرِ الٰہی ہے اور اس کی انتہا بھی ذکرِ الٰہی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ تصوف کے اس نصاب سے مودودی صاحب کو کہاں تک اتفاق یا اختلاف ہے۔ جب کہ آپ نے ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "انسان کسی حالت میں بھی شیطان کے حملے سے بچ نہیں سکتا، سوائے ایک صورت کے۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ انسان اپنے قلب کے گرد ذکرِ الٰہی کا حصار تعمیر کر لے"۔

ظاہر ہے کہ یہ اینٹ گارے کی تعمیر کا کام بھی بغیر سیکھے اور بغیر مسلسل مشق کے نہیں آتا تو کیا قلب کے گرد ذکرِ الٰہی کا حصار تعمیر کرنے کا کام یونہی بیٹھے بٹھائے آسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ محال ہے تو پھر اس کی اہمیت کا انکار کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

اب ذرا حضرت الاستاد، مودودی صاحب کی شہرہ آفاق تفسیر القرآن "تفہیم القرآن" سے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔ آپ پر ان کا مسلک، طرزِ تدبر و فکر یا نہجِ ذوق و عمل واضح ہو جائے گا۔ ان اقتباسات میں خط کشیدہ جملوں یا الفاظ کو غور سے بار بار پڑھیے اور دیکھیے بلکہ خالی الذہن ہو کر سوچیے کہ قرآن مجید کی دعوت اور پیغام کی روح کیا ہے اور انسانی فکر و کردار میں سچا انقلاب لانے کی صحیح اور مؤثر صورت کیا ہے۔ ان کیفیات اور اس یقین کے حصول کی کوشش فرمائیے، کسی اور تعلق و نسبت سے نہیں اپنے ہی پسندیدہ "Reference" سے ہی اس کی اہمیت کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اس کی جستجو میں کوشاں ہو جائیے اور اگر کوئی دوسرا بھی اسی مقصد و معنی کی نشاندہی کرے یا دعوت دے تو اسے نہ صرف اپنا ہمنوا سمجھئے بلکہ اپنا ہمدرد، بہی خواہ اور رفیقِ راہ سمجھ کر اس کی معیت میں اس سمت میں قدم بڑھائیے:

من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو میگویم
تو از سخنم پند گیر و خواہ ملال

۱۔ وجاهدوا في الله حق جهاده کی تفسیر میں لکھتے ہیں (تفہیم القرآن۔ جلد سوم)

"اس مجاہدے کا اولین ہدف آدمی کا اپنا نفسِ امارہ ہے۔ جو ہر وقت خدا سے بغاوت کرنے کے لئے زور لگاتا رہتا ہے۔ اور آدمی کو ایمان و طاعت کی راہ سے ہٹانے کی

کوشش کرتا ہے۔ جبتک اس کو مسخر نہ کر لیا جائے باہر کسی مجاہدے کا امکان نہیں ہے۔ اسی لئے ایک جنگ سے واپس آنے والے غازیوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **قدمتم خیر مقدم من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر**۔ عرض کیا گیا وہ بڑا جہاد کیا ہے؟ فرمایا: **مجاھدۃ العبد ھواہ** یعنی آدمی کی خود اپنی خواہشِ نفس کے خلاف جدوجہد۔ اس کے بعد جہاد کا وسیع تر میدان پوری دنیا ہے۔
تصوف کا دائرہ کار یہی نفسِ امارہ کے خلاف جہاد ہی تو ہے۔

٢:- واذکر ربک فی نفسک الخ

(٧: ٢٠٥) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دنیا میں جو کچھ گمراہی پھیلی ہے اور انسان کے اخلاق و عادات میں جو فساد بھی رونما ہوا ہے۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ انسان اس بات کو بھول جاتا ہے کہ خدا اس کا رب ہے اور وہ خدا کا بندہ ہے.......
پس جو شخص راہِ راست پر چلنا اور دنیا کو اس پر چلانا چاہتا ہے۔ اس کو سخت اہتمام کرنا چاہئے کہ یہ بھول کہیں اس کو لاحق نہ ہو جائے۔ اسی لئے نماز اور ذکرِ الٰہی اور دائمی توجہ الی اللہ کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔"

٣:- ادعوا ربکم تضرعاً وخفیہ

(٧: ٥٥) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہ یادِ خدا سے غفلت ہی ساری خرابیوں کی جڑ ہے۔"

٤:- والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات

(٣٣: ٣٥) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اللہ کو کثرت سے یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی زبان پر ہر وقت، زندگی کے ہر معاملے میں کسی نہ کسی طرح خدا کا نام آتا رہے۔ یہ کیفیت آدمی پر اس وقت تک طاری نہیں ہوتی جبتک اس کے دل میں خدا کا خیال بس کر نہ رہ گیا ہو۔ انسان کے شعور سے گذر کر اس کے تحت الشعور اور لاشعور تک میں جب یہ خیال گہرا اتر جاتا ہے۔ تب ہی اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جو کام بھی کرے گا اور جو بات بھی کرے گا اس میں خدا کا نام ضرور آئے گا.......
یہ چیز درحقیقت اسلامی زندگی کی جان ہے۔
...... خود عبادات اور تمام دینی کاموں میں بھی جان اسی چیز سے پڑتی ہے کہ آدمی کا دل محض ان خاص اعمال کے وقت ہی نہیں بلکہ ہمہ وقت خدا کی طرف راغب اور اس کی زبان دائماً اس کے ذکر سے تر رہے۔"

٥:- ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ... الخ

(٥٩: ١٩) کے تحت لکھتے ہیں:

"صحیح راستے پر انسان کے ثابت قدم رہنے کا انحصار اس بات پر ہے کہ اسے خدا یاد رہے۔ اس سے غافل ہوتے ہی وہ اپنے آپ سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور یہی غفلت اسے فاسق بنا دیتی ہے۔"

۶۔ ولذکر اللہ اکبر (۴۵:۲۹) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی یاد بجائے خود بہت بڑی نعمت ہے۔ خیر الاعمال ہے۔ انسان کا کوئی عمل اس سے افضل نہیں ہے۔"

یہ چند اقتباسات محض نمونہ اور مثال کے طور پر پیش کئے گئے ہیں ورنہ تفہیم القرآن ہی میں ذکرِ الٰہی سے متعلق تمام آیات کی تفسیر کا اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ:

۱۔ ذکرِ الٰہی خیر الاعمال ہے۔

۲۔ انسان کا کوئی عمل اس سے افضل نہیں ہے۔

۳۔ ذکرِ الٰہی سے غفلت انسان کو فاسق بنا دیتی ہے۔

۴۔ جو شخص راہِ راست پر چلنا چاہے یا دوسروں کو چلانا چاہے اسے ذکرِ الٰہی کا سخت اہتمام کرنا چاہیئے۔

۵۔ ذکرِ الٰہی اسلامی زندگی کی جان ہے۔

۶۔ خود عبادات اور تمام دینی کاموں میں جان اسی سے پڑتی ہے۔

۷۔ ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ دل کی گہرائیوں میں اللہ کا خیال بس کر رہ جائے۔

۸۔ نفسِ امارہ کو مسخر کرنے کا یہی واحد نسخہ ہے۔

۹۔ جب تک نفسِ امارہ کو مسخر نہ کیا جائے باہر کسی مجاہدے کا امکان نہیں۔

۱۰۔ یادِ الٰہی سے غفلت ہی ساری خرابیوں کی جڑ ہے۔

تلک عشرۃ کاملہ

فرقہ بندی

کا باعث نہ قرآن ہے نہ حدیث بلکہ وہ عقل ہے جو صرف اپنے اعتماد پر مذہب کا نقشہ تیار کرنا چاہتی ہے۔

(ترجمان السنۃ)

خواب اور تعبیرِ خواب

انتخاب تحریر .... حضرت مولانا قاری محمد طیب ؒ

تعبیرِ خواب ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ اس فن کے بڑے بڑے عالم پیدا ہوئے ہیں۔ اور بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ابنِ سیرینؒ اس فن میں امام گذرے ہیں۔ انہوں نے خواب کے اصول و فروع بیان کئے ہیں اور کہیں قرآن سے اور کہیں حدیث سے اور کہیں موسم کے اختلاف سے اور کہیں اعداد و شمار سے استنباط کیا ہے۔

ایک خواب

چنانچہ ایک شخص ابنِ سیرینؒ کے پاس آیا اور کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میری چارپائی کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ تو فرمایا، جلدی جا اور فوراً اپنے اہل و عیال کو گھر سے نکال لے کیونکہ وہ گرنے والا ہے۔ چنانچہ اس نے فوراً اپنا گھر خالی کیا اور واقعی چھت گر پڑی۔ پھر چار پانچ ماہ کے بعد ایک اور شخص نے آکر یہی خواب بیان کیا کہ میری چارپائی کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ تو ابنِ سیرینؒ نے فرمایا کہ جاؤ اور اس جگہ کو کھودو۔ وہاں ایک خزانہ ہے۔ چنانچہ اس نے کھودا تو خزانہ نکلا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ کہ خواب ایک ہی ہے اور تعبیریں مختلف ہیں۔ پہلے نے خواب بیان کیا تو گھر جلوا دیا اور اس نے پوچھا تو مال نکلوایا۔ آپ نے جواب دیا کہ اس پہلے شخص نے گرمی میں خواب دیکھا اور گرمی میں آگ سبب مضرت و تکلیف ہوتی ہے اس لئے یہ تعبیر دی گئی۔ اور دوسرے نے خواب سردی میں دیکھا تھا اور سردی میں آگ باعثِ راحت ہے اس لئے تعبیر بھی اس کے مناسب دی گئی۔ حاصل یہ کہ موسم کے اختلاف سے تعبیر میں بھی اختلاف آجاتا ہے۔

دوسرا خواب

انہی کے زمانے میں امام مالکؒ نے ایک خواب دیکھا۔ آپ کی یہ تمنا تھی کہ میری قبر بھی مدینہ منورہ میں ہو۔ چنانچہ آپ نے ہجرت کر کے ہمیشہ کے لئے مدینہ منورہ میں رہائش اختیار فرمالی تھی آپ کو مدینہ کے ساتھ عشق تھا۔ یہی چاہتے تھے کہ مدینہ ہی میں مروں اور مدینہ کی زمین مجھے قبول کرے۔ آپ پیشاب کرنے باہر جاتے تو بھاگتے ہوئے واپس آتے۔ حتیٰ کہ نفل حج کے لئے بھی نہ جاتے۔ آپ نے ایک مرتبہ خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی تو آپ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میری باقی عمر کتنی ہے؟ تاکہ میری عمر اگر لمبی ہو تو اطمینان سے نفلی حج تو ادا کر سکوں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اوپر اٹھا کر پانچ انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔ تو امام مالکؒ اس خواب کو دیکھ کر حیران ہوئے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ میری عمر پانچ دن ہے یا پانچ ماہ یا پانچ سال۔ آخر ایک شخص کو ابن سیرینؒ کے پاس بھیجا۔ اور خواب کی تعبیر پوچھی۔ اور اس کو تاکید کر دی کہ میرا نام نہ بتلانا۔ بس کہنا کہ ایک مسلمان نے خواب دیکھا ہے۔ تو اس نے کہا کہ مجھے نام بتلانے سے منع کر دیا گیا ہے ابن سیرینؒ نے کہا کہ یہ خواب کسی بڑے عالم نے دیکھا ہے۔ جاہل ایسا خواب نہیں دیکھ سکتا۔ اور ایسے بڑے عالم یہاں صرف امام مالکؒ ہیں۔ جاؤ نام پوچھ کر آؤ۔ چنانچہ وہ شخص واپس آ گیا۔ اور عرض کیا کہ امام سیرینؒ نے پوچھا ہے نام کیا ہے؟ امام مالکؒ نے نام ظاہر کرنے کی اجازت دے دی تو ابن سیرینؒ نے نام سن کر بتایا کہ یہ انہی کا مرتبہ ہے کہ ایسا خواب دیکھیں۔ پھر فرمایا کہ اس کی وہ تعبیر نہیں جو امام مالکؒ نے خیال فرمائی ہے کہ سال یا ماہ یا دن مراد ہیں بلکہ ھِیَ مِن خمسٍ لا یعلمھن الا اللّٰہ اور اس میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے اِنَّ اللّٰہَ عِندَہٗ عِلمُ السَّاعۃِ ۚ وَیُنَزِّلُ الغَیثَ ۚ تو ابن سیرینؒ نے فرمایا کہ کہہ دینا کہ یہاں تعداد مراد نہیں ہے بلکہ ھِیَ مِن خمسٍ مراد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعبیرات کا تعلق بعض اوقات قرآن مجید سے اور بعض مرتبہ حدیث سے اور کبھی موسم کے اختلاف سے ہوتا ہے۔ بلکہ بعض دفعہ تو اعداد و شمار سے بھی ہوتا ہے۔

تیسرا خواب

چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی سے ان کے بھائی مولوی محمد منیر صاحب نے یہ خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ بریلی کی طرف سے بطخیں اڑ کر ہمارے گھر میں آ گریں۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر مٹھائی کھلاؤ تو بیس روپے ماہوار کی ملازمت دلوا دوں اور نہیں کھلاتے تو گیارہ روپے کی۔

انہوں نے کہا کہ مٹھائی کھلاؤں گا لیکن بیس روپے کی ملازمت دلوادو۔ پھر بعد میں مولوی محمد منیر صاحب بھاگے بھاگے آئے اور عرض کیا کہ ملازمت تو مل گئی ہے مگر آپ نے یہ کیسے کہا کہ مٹھائی کھلاؤ تو بیس روپے کی ملازمت ورنہ گیارہ روپے کی ملازمت دلواؤنگا۔ کیا یہ آپ کے قبضے میں ہے کہ چاہے بیس کی دلوائیں یا گیارہ کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ بطّ چونکہ حلال ہے۔ اس لئے مجھے یہ تو علم ہوگیا تھا کہ رزق تو حلال ہی کا ہوگا۔ البتہ بطّ کا استعمال دو طرح پہ ہے عربی میں اور فارسی میں۔ عربی میں طا مشدّد ہے اور اس کے عدد ابجد کے حساب سے بیس بنتے ہیں اور فارسی میں طا مخفّف ہے اور اس کے اعداد گیارہ ہوتے ہیں۔ اب معبر کو اختیار ہے کہ عربی کا لفظ لے یا فارسی کا۔ تو ہم نے عربی کا مشدّد کیا۔ لہٰذا طاّ کے نو اور نو ۱۸ اور ب کے دو کل گیارہ ہوئے۔ اور اگر ساکن لیا جائے تو طا کے نو اور ب کے دو۔ کل گیارہ ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم تعبیر میں اعداد و شمار کی واقفیّت اور کچھ انکشافی مادہ اور اندرونی بصیرت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

چوتھا خواب

نواب صدیق حسن خاں کے زمانے میں قاضی عبدالاعلیٰ صاحب عہدۂ قضا پر مقرر تھے۔ ان کے زمانے میں ایک اہلِ حدیث نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑی جماعت ہے اور اس میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی موجود ہیں اور نواب صدیق حسن خاں صاحب امام ہیں اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلم اقتدا فرمارہے ہیں تو وہ شخص قاضی صاحب کے پاس گیا اور تعبیر پوچھی۔ جی میں خوش تھا کہ تعبیر بیان ہوگی تو نواب صاحب کی عظمت و فضیلت، بڑائی و بزرگی نمایاں ہوگی۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ واقعی تم نے یہ خواب دیکھا ہے یا یوں ہی کہہ رہے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ قاضی صاحب نے تعبیر بتلائی کہ نواب صاحب کا انتقال ہوچکا ہے۔ چنانچہ تین چار گھنٹے بعد اطلاع آئی کہ نواب صاحب کا انتقال ہوگیا ہے اور لوگ بھاگے بھاگے دارالخلافہ نواب صاحب کے مسکن جانے لگے کچھ دیر کے بعد خواب دیکھنے والا پھر حاضر ہوا اور قاضی صاحب سے عرض کیا کہ آپ نے اس خواب سے یہ کیسے معلوم کرلیا کہ نواب صاحب فوت ہوچکے ہیں؟ تو قاضی صاحب نے فرمایا کہ جب میں نے یہ سنا کہ نواب صاحب حضورؐ کے آگے ہیں اور امامت کرا رہے ہیں تو میں نے خیال کیا کہ وہ فوت ہوگئے ہیں کیونکہ نماز میں نبی کے ہوتے ہوئے کسی کو آگے بڑھنے کا حق نہیں ہے۔ آگے آئے تو میّت ہی آئے اور نبی اس کا جنازہ پڑھے۔ تو واقعی تعبیر کا حق صرف انبیاء کو ہے جو احکامِ دین سے واقف ہوتے ہیں اور سب ان کی جوتیوں کے طفیل کچھ نہ کچھ پاتے ہیں۔

....

دیکھتا چلا گیا

سیلانی کے قلم سے

٭ ایک خبر ٭

برمنگھم میں مقیم مسلمانوں نے یہاں جو مسجد تعمیر کی ہے وہ برطانیہ کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ اور یہ مذہبی اور ثقافتی مرکز کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔

(نوائے وقت — ۱۳ر جون)

یہ خبر نہیں بلکہ ہفت عجائباتِ عالم میں ایک عجوبہ کا اضافہ ہے۔ وہ یوں کہ مسلمانوں کی بنائی ہوئی مسجد مذہبی اور ثقافتی مرکز کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ مسجد بھی ہے اور ثقافتی مرکز بھی وہ کیسے؟

مسجد کا مذہبی مرکز ہونا تو سمجھ میں آتا ہے مگر ثقافتی مرکز ہونا ناقابلِ فہم ہے بلکہ ناقابلِ تصور ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں تو ثقافت کے اجزائے ترکیبی تین ہیں۔

ناچ، گانا اور مصوری

پھر ناچ میں لوک ناچ سمی، دھمال، لڈی، بھنگڑا، خٹک ناچ وغیرہ۔

اور گانے میں کلاسیکی اور نیم کلاسیکی موسیقی پکے راگ اور بھیرو بھیرویں، دادرا، مال کاونس کدارا، دیپک اور میاں کی ٹوڈی وغیرہ اور اس کے ساتھ سارنگی، طبلہ، بانسری، الغوزہ، چمٹا وغیرہ

مصوری میں عریاں اور نیم عریاں تصاویر بنانا۔

یہ ہے ہماری ثقافت۔ اسی لئے اگر وہ مسجد اسی قسم کا ثقافتی مرکز بھی ہے تو پھر وہ مسجد کاہے کو ہوئی ایک "مرکز ہاؤ ہو" ہوا۔

اگر آپ کو ثقافت کے ان اجزائے ترکیبی میں شبہ ہو تو وفاق ۱۶ مارچ ۱۹۸۴ء کا آخری صفحہ ملاحظہ فرمائیے۔ عنوان ہے۔

"ادارہ ثقافتِ پاکستان کے رنگارنگ پروگرام"

یہ پروگرام نیشنل آرٹ گیلری اسلام آباد میں ہوگا۔ یعنی اس نیشن کی آرٹ گیلری جو اپنے آپ کو مسلم نیشن کہتی ہے اور جس کی حقیقت ایک ترجمانِ حقیقت نے یوں بتائی کہ

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی ﷺ

اس میں پروگراموں کی تفصیل یہ دی گئی ہے

۱۔ پاکستان کے علاقائی رقص پر مبنی پروگرام ۲۱ مارچ لیاقت میموریل ہال میں۔

۲۔ کلاسیکی موسیقی کا پروگرام اسلام آباد کالج برائے طالبات۔

۳۔ پاکستان کے نامور مصوروں کی تصاویر کی نمائش نیشنل آرٹ گیلری میں ہوگی۔ اس موقع پر تصویریں بنانے کا مقابلہ بھی ہوگا۔

چونکہ پاکستان اور اسلام عموماً بالکل لازم و ملزوم سے تصور ہوتے ہیں اس لئے اگر اس ادارے کا نام ثقافتِ پاکستان کی جگہ ثقافتِ اسلام ہی رکھ دیا جائے یا سمجھ لیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔

بلکہ اس ثقافت کو "اسلاماتے" ہوئے ایک محترم نے کہا تھا کہ میں وضو کر کے گانا گاتی ہوں۔ ممکن ہے کوئی رقاصہ یہ اعلان کر دے کہ میں تیمم کر کے ناچتی تھرکتی ہوں اور کوئی مصور یہ دعویٰ کر دے کہ ہم تو طہارت خانے سے آکے موقلم ہاتھ میں لیتے ہیں۔ پھر اس کے اسلامی ثقافت ہونے میں کمی کیا رہ گئی۔

پھر اپنے یہاں سے جو ثقافتی طائفے اپنی ثقافت کی نمائندگی کے لئے دنیا کے دوسرے ممالک میں جاتے ہیں ان کے ارکان بھی بالعموم اسی تثلیث پر مشتمل ہوتے ہیں۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ برمنگھم میں میں مقیم مسلمانوں سے اس امر کی وضاحت طلب کی جائے کہ کیا آپ کی مسجد اسی قسم کی ثقافت کا مرکز بن چکی ہے یا وہ ثقافت کوئی اور ہے۔

اگر اس سے مختلف ہے، تو اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟

کیا ان اجزائے ثقافت کا مسجد کے مفہوم اور مقصد کے ساتھ کوئی جوڑ لگ سکتا ہے؟

اور واقعی اگر کوئی ایسی پاکیزہ ثقافت ہو تو اس کے متعلق اپنے اہلِ ملک کو تفصیلی واقفیت بہم پہنچائی جائے۔ اس کا ایک فائدہ ہے وہ یہ کہ یہ غلام ابنِ غلام قوم، اللہ اور رسول ﷺ کی بات سننے میں گراں گوش واقع ہوئی ہے۔ اور مغرب کی نقالی کا شوق اس کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ اس لئے عین ممکن ہے

بلکہ یقین غالب ہے کہ مغرب کی نقالی کے جذبہ کی تسکین کیلئے یہ قوم اس پاکیزہ ثقافت کو اپنا لے۔

ہفتے میں ۲ دو دن چھٹی

سرکار کے اس اقدام پر عوام اور خواص نے ملے جلے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ معاملہ بالکل سادہ ہے۔ سرکار جو "دفتریوں" کو تنخواہ دیتی ہے اس کے متعلق نظریہ بلکہ عقیدہ یہ ہے کہ وہ صرف دفتر میں آنے کا معاوضہ ہوتا ہے۔ اس لئے اگر سرکار اپنے پروردہ حضرات کو اتنی رعایت دے دے کہ ہفتے میں چھ دن کی بجائے پانچ روز دفتر میں آیا کرو تو اس میں قباحت کونسی ہے۔ یہ تو سرکار کی بندہ پروری اور غریب نوازی کی دلیل ہے رہا دفتر میں آکر کام کرنے کا سوال تو کام کا معاوضہ دینا ان لوگوں کے ذمے ہوتا ہے جو سائل کی حیثیت سے دفتر میں آتے ہیں۔ تنخواہوں کے سکیلوں کی طرح اس "عوامی معاوضہ" کے بھی مختلف سکیل ہیں۔ جو کام مستقل نوعیت کے ہوں اور ایک ہی طرح کے ہوں ان کے معاوضے کی شرح مقرر ہے جو ہر سائل جانتا ہے اور ہر "دفتری" بھی جانتا ہے۔ جو کام اس ضمن میں نہ آتے ہوں ان کے لئے معاوضہ کی شرح مقرر کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی کیونکہ نوٹوں پر یہ رہنما اصول تو موجود ہے کہ "حصولِ رزقِ حلال عین عبادت ہے"۔ تو دفتر ہی کو عبادت گاہ کیوں نہ بنا لیا جائے۔ اور دفتر میں آنے کا، کام کرنے سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ کام تو گھر میں کلب میں، بلکہ بازار میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ فائل بغل میں ہو تو کام کرنے میں کون سی دقت ہوتی ہے۔

ہ

جب میکدہ چھٹا تو پھر کیا جگہ کی قید
مسجد ہو، بتکدہ ہو، کوئی خانقاہ ہو

اس لئے دفتر اگر پورا ہفتہ بھی بند رہیں تو کام نہیں رکتے۔
اہلِ فن نے اس کے تین سکیل بیان کئے ہیں۔
۱۔ سینکڑوں میں لو تو گرفتار بھی ہوگے اور سزا بھی ہوگی۔
۲۔ اگر ہزاروں میں لو تو گرفتاری ہوگی سزا نہیں ہوگی۔
۳۔ اگر لاکھوں میں لو تو نہ گرفتاری نہ سزا۔
اب آگے سوچ لو!
"کھیڈ مقدراں دی"

قلب اور علمِ دین

محمد اسلم خاور۔ کراچی

اللہ تعالٰے نے مُشتِ خاک کو تقویمِ احسن سے ظاہری حواس کے ساتھ قلب کی نعمت بھی عطا فرمائی۔ قلب کا مطلب صرف گوشت کا لوتھڑا ہی نہیں بلکہ اس کے اندر ایک باطنی قوت ہے جسے قلب کی آنکھ کہتے ہیں اور صوفیۂ کرام اسے "لطیفۂ قلب" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ قلب اپنی ذات میں ایک کائنات ہے۔ اگر لطیفۂ قلب" انوارِ الٰہی سے منور ہو جائے تو اس میں ایک خاص قوت پیدا ہو جاتی ہے جسے قلب کی بصیرت کہتے ہیں۔ جسم کے ظاہری حواس کی طرح قلب کے بھی باطنی حواس ہوتے ہیں۔ جو انوارِ الٰہی کی آمد سے زندہ ہو جاتے ہیں۔ اور انہی پر قلبی کائنات کی بقا کا دارومدار ہے۔ دل تو سب کے پاس ہیں مگر حقیقت میں قلب وہی ہیں جو اپنے اندر بصیرت رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہی بصیرت قلب کا اصل سرمایہ ہے۔

قرآنِ حکیم میں ہے کہ "ان کے پاس دل ہیں، مگر بصیرت سے خالی ہیں"۔ الاعراف : ۱۷۹-

اس مادی زندگی میں رہ کر اگر دل کو بصیرت فراہم نہ ہو سکے تو قلب کے وجود پہ بہت بڑا ظلم ہے کہ اس کو اپنی حقیقی زندگی نہ مل سکی جو خالقِ کائنات کی توجہ کا مرکز ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ "جس کے ساتھ اللہ تعالٰے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں تفقّہ (فہم و بصیرت) عطا فرماتا ہے"۔ (بخاری۔ مسلم۔ مشکوٰۃ)

قدرتِ کاملہ کا اپنے بندے پر کتنا بڑا احسان ہے کہ بصیرت عطا فرما کر اپنی طرف سے بھلائی کا اظہار فرما دیا۔ جو درحقیقت ایک نورِ الٰہی کا خزانہ علم و حکمت کا سمندر، مؤمن کی فراست اور معرفتِ الٰہی کا بحرِ بے کراں ہے۔ صرف قلبِ مومن ہی ہے جو بلا شرکتِ غیرے ان انعامات کا حقدار بنا۔ یہ اللہ کا فضل و کرم ہے جس بندے پر ہو جائے۔ اور جس پر چاہے کر دے۔ اللہ تعالٰے نہ ہماری صورتوں کو دیکھتا ہے اور نہ ہی ظاہری اعمال کو۔ وہ صرف اپنے

بندوں کے دلوں کو دیکھتا ہے کیونکہ اعمال کی قبولیت کا دارومدار خلوصِ قلبی پر ہے۔

اگر انسانی ڈھانچے کے اجزاء اور ان کے دائرہ کار پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جسم کے ہر حصّہ کا دائرہ عمل مخصوص اور محدود ہے جو عملی زندگی میں اپنی حدود سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ مثلاً آنکھ کا کام دیکھنا ہے، سونگھ نہیں سکتی۔ عقل و دماغ صرف سوچتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں عمل کے محرکات ہیں۔ ان تمام عوامل کا دارومدار بھی دل کی بقا پر ہے۔

اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہدایت کا متحمل بھی صرف قلب ہوتا ہے۔ باقی تمام اعضاء ہدایت خداوندی کو قبول کرنے سے قاصر ہیں۔ خدا کی پاک ذات ہر جگہ موجود ہے، مگر بندہ مومن میں اگر خدا کہیں ہو سکتا ہے تو وہ بھی صرف قلب ہے۔ "میری سمائی بجز قلبِ مومن کے اور کہیں نہیں ہو سکتی"۔ (الحدیث) وہ پاک ذات لامحدود ہو کر بھی قلبِ مومن میں سما سکتی ہے۔ کتنا بڑا کرم ہے ربِ کریم کا۔ جب تک اللہ تعالےٰ کو دل میں نہ بسایا جائے مومن کو ظاہر زندگی کو حیاتِ جاودانی نہیں مل سکتی اور نہ بقا نصیب ہو سکتی ہے کیونکہ اس کے لئے باقی رہنے والی ذات کا ساتھ ہونا لازمی ہے اور وہ صرف وحدہٗ لاشریک کی پاک ذات ہی ہے۔

حضرت امام مالکؒ سے ترجمان السنہ میں منقول ہے "علم و حکمت نور ہیں، جنہیں اللہ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔" مزید وضاحت کے لئے فرماتے ہیں کہ "علم زیادہ معلومات کا نام نہیں بلکہ وہ ایک نور ہے کہ اللہ تعالےٰ قلوب میں ڈالتا ہے۔" علم ایک نور ہے جس کا تعلق باطن سے ہے اور مقام قلبِ مومن ہے۔ یہی وہ نعمت ہے جو رب العزت کی طرف سے بندوں کے لئے ہدایت، علم و حکمت اور فہم و بصیرت کی دلیل ہے درحقیقت یہ اصل دین اور روحِ دین بلکہ عین دین ہے۔ اسی باطنی علم کو علمِ تصوف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے فرض ہے۔ معارف القرآن، سورہ توبہ آیت نمبر ۱۲۲ کی تفسیر میں "تفسیرِ مظہریؒ" کے حوالے سے لکھا ہے کہ جہاں نماز، روزہ، حج زکوٰۃ کا ظاہری علم حاصل کرنا فرض ہے اسی طرح دین کا باطنی علم جسے علم تصوف کہتے ہیں حاصل کرنا بھی فرضِ عین ہے۔ ان میں سے کسی ایک کے بغیر بھی دین کا علم مکمل نہیں ہوتا۔

ظاہری علم کا تعلق حواس سے ہے اس لئے یہ حصول میں آسان اور عام فہم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس علم کی تعلیم و ترویج کے لئے جابجا اساتذہ اور مدارس موجود ہیں۔ مگر باطنی علم کا تعلق باطنی حواس سے ہے جس کا مرکز قلبِ مومن ہے چونکہ مادی اور ظاہری حواس اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں

اور ہم مسلمانوں نے اپنی تن آسانی کی وجہ سے
دین کے ظاہری علم کو ہی علم کی انتہا سمجھ لیا ہے
اور جو علم دین کی رُوح ہے اس کے حصول میں
چونکہ مجاہدہ، قلبی محنت، تزکیۂ نفس، رزقِ حلال،
قناعت اور صبر و شکر کے مراحل ہیں اس لئے
اس سے جی چُراتے ہیں۔ آج کا مسلمان صرف
اُسی دین پر قناعت پسند واقع ہُوا ہے جو بآسانی
مل جائے اور جس علم کے حصول میں تھوڑی
سی محنت اور مجاہدہ کرنا پڑے اس سے پہلو
بچاتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے کہ " اے ایمان والو
داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے اور مت چلو قدموں
پر شیطان کے۔ بے شک وہ تمہارا صریح دشمن
ہے۔" (البقرہ: ۲۰۸) رسولِ پاکؐ سے ہمیں
مکمل دین ملا ہے اور مسلمان مکمل دین کا وارث ہے۔
جب تک دین کے ظاہری اور باطنی دونوں پہلوؤں
پر ساتھ ساتھ عمل نہ ہو اس وقت تک مکمل طور پہ
دینِ اسلام میں داخل ہونا ناممکن ہے۔

اللہ تعالےٰ نے مکمل دینِ اسلام کی حفاظت
کا ذمہ لیا ہے تاکہ قیامت تک کے انسانوں کی
راہنمائی ہوتی رہے۔ لہٰذا حضورؐ کی امت میں صالح
ہستیاں موجود رہیں گی جو مکمل دینِ مبین اور
پوری شریعتِ مطہرہ کی تعلیم و تربیت کرتی رہیں گی۔
مکمل علمِ دین سے مسلمان اپنے دلوں کو منور کرتے
رہیں گے۔ اس طرح ایمان و یقین کی تکمیل ہوتی
رہے گی۔ اگر ہم مسلمانوں نے پورے دین کو
اپنانے میں شرم محسوس کی تو اللہ بے نیاز ہے
وہ ہم برائے نام مسلمانوں کا محتاج نہیں، وہ
چاہے تو کافروں اور مشرکوں کو نورِ ہدایت سے
سرشار فرما کر اپنے آخری رسولؐ کی شریعتِ مطہرہ
کا حقیقی وارث بنا سکتا ہے۔ پناہ مانگنی چاہیئے
ایسی ساعت سے کیونکہ ہم مسلمانوں کا ٹھکانہ
کوئی نہ ہوگا۔ ہر ایک کو اللہ کے دربار میں پیش
ہونا ہے۔ ایسے عالم میں اللہ اور اس کے
رسولؐ کو کیا منہ دکھائیں گے۔ اور کس دین کے
اعمال لے کر پیش ہوں گے۔ اللہ کی طرف سے
ڈھیل ملی ہوئی ہے اور برگزیدہ ہستیاں بھی موجود
ہیں جو دینِ مبین کے ظاہری و باطنی علم کی تعلیم و
تربیت فرماتی ہیں اور مسلمان اپنے سینوں کو
نورِ الٰہی سے منور کر رہے ہیں۔ ان ہی صالحین امت
اور اپنے حقیقی وارثوں کے متعلق نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا " لوگ تمہارے پاس دین میں تفقہ
(فہم و بصیرت) حاصل کرنے آئیں گے۔ جب وہ
آئیں تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ یہ میری
وصیت ہے۔" (ترمذی، مشکوٰۃ) حضورؐ کے
حقیقی وارث علمائے ربانی کسی نہ کسی حال میں
اور کہیں نہ کہیں دین کی تعلیم و تربیت فرماتے ہیں
الحمد للہ آج بھی موجود ہیں جن کے علم و حکمت
اور نورِ بصیرت سے مسلمان فیضیاب ہو رہے
ہیں۔ یہ سلسلہ بفضل اللہ تا قیامت جاری رہے گا
یہی وہ علمِ باطن ہے جو کسی کتاب سے نہیں ملتا۔

اس کے لئے استادِ کامل اور ماہرِ فن کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی بندہ اس کے حصول کے لئے نہ تو طلبِ صادق رکھے اور نہ ہی جستجو کرے بھلا ایسے مسلمان کو یہ نعمت کیوں کر مل سکتی ہے۔ اپنے اندر استعداد نہ ہونے کے سبب باطنی علمِ دین کا انکار کہاں کی دانشمندی ہے۔ اگر کوئی نابینا صبح کے اُجالے اور روشنی کا انکار کرے تو آنکھوں والے یہی کہیں گے کہ بے چارہ مادی بصارت سے محروم ہے۔ لہٰذا حقیقت کا انکار کرنے میں حق بجانب ہے۔ بالکل اسی طرح نورِ معرفت و قلبی بصیرت سے سینے منور ہوتے ہیں مگر دل کے اندھے کو یہ نعمت کیوں کر دکھائی دے۔ لہٰذا یہ بھی معذور ہے اور حقیقت کے انکار میں بظاہر حق بجانب ہے۔ دُکھ کی بات تو یہ ہے کہ اس روحِ دین سے لاعلمی اور محرومی کا احساس تک نہیں ہے۔ ہو بھی کیوں اس لئے کہ آج ہم مسلمانوں نے صرف منبر و محراب میں جلوہ فگن شعلہ بیاں سپوتوں کو ہی دین کا آخری ستارہ سمجھ کر اپنی جستجو کو ختم کر لیا ہے کاش! کہ آج کوئی شاعرِ مشرق ہوتا تو ہمیں بتاتا کہ:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔

جب ان انسان نما بے جان و روح مورتیوں کے نہاں خانۂ دل ہی نورِ بصیرت سے خالی ہوں تو سادہ لوحِ انسانیت کہاں سے جِلا پائیں اور علمِ بصیرت کہاں سے حاصل ہو۔ چلیئے خوب سے خوب تر کی تلاش میں اپنی جستجو کو آگے بڑھائیں تاکہ مکمل دین سیکھ سکیں۔ یہاں سے بھی اگر آگے بڑھ چلیں تو چکا چوند کر دینے والی کاروباری آستانوں کی روشنیوں اور دلفریب قمقموں میں ظاہری زرق برق پوشاک سے مزیّن بال بکھرائے ہوئے بند قبا کھولے ہوئے حسین چہروں پہ نظریں جم جاتی ہیں۔

دین و دنیا کا کاروبار بہت ہی حسین انداز میں ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ ہر قسم کے سیاہ و سفید کا ذمہ دار آقائے آستانہ ہے۔ قرآن و سنت پر عمل نام کو نہیں۔ رسولِ پاکؐ کی حیاتِ طیبہ کی دُور دُور تک کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ مگر آخرت کی نجات کی یقین دہانی دنیا میں ہی کرادی جاتی ہے کیونکہ بزعمِ خویش عشقِ حبیبؐ کی سند جو موجود ہے۔ سبحان اللہ۔ کیا خوب زندگی ہے کہ:

رند کے رند رہے، ہاتھ سے جنت نہ گئی۔

نہ مقررہ اوقات میں نماز کا خیال اور نہ ہی جماعت کا اہتمام۔ بسا اوقات اگر پیرِ مغاں کی نظرِ کرم ہو جائے تو صوم و صلوٰۃ بھی معاف ہو جاتی ہے کیونکہ فرائض و واجبات کی ادائیگی صرف آقائے آستانہ کے ذمہ ہے۔ کتنا بڑا بدنما داغ ہے یہ تصوف کے نام پر۔ اللہ تعالےٰ حفاظت فرمائے۔ شاید

حضرت علامہ اقبالؒ یہی دیکھ کر فرما گئے ہیں کہ:

لباسِ خضر میں یاں سینکڑوں رہزن بھی پھرتے ہیں
اگر دنیا میں جینا ہے تو کچھ پہچان پیدا کر

شاعرِ مشرق کی بات سمجھ میں آگئی۔ ابھی ہمت بھی نہیں ہاری اور حقیقی اہل اللہ کی تلاش جاری ہے اور یقین کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ متلاشیانِ حق کو کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ بلکہ ان کی راہنمائی فرماکر نبی آخرالزماں ﷺ کے حقیقی وارثوں تک پہنچا دیتا ہے۔ قیامت تک دینِ مبین کی حفاظت میرے ربّ کا وعدہ ہے۔

آج کے پُرفتن دور میں اللہ کے فضل وکرم سے شریعت کے عالم باعمل، طریقت کے عارف کامل عالمِ ربانی، بحرِ علم وحکمت، آفتابِ فہم وبصیرت، شیخ العرب والعجم، معلم العلماء والمشائخ، علمِ نبوت اور نورِ نبوت کے روشن مینار، استاذ المکرم حضرت العلام مولانا اللہ یار خاں مدظلہ کی بابرکت ہستی ہم میں موجود ہیںؒ۔ جن کی صحبت و توجہ کاملہ میں رہ کر شمعِ رسالت کے ہزاروں جانثار اور سالکینِ تصوف نورِ معرفت سے اپنے سینوں کو منور کر رہے ہیں۔ اس طرح دینِ کامل کے ظاہری و باطنی پہلوؤں کی تعلیم وتربیت بفضل اللہ جاری ہے۔ دعوتِ عام ہے پیر و جواں، خورد وکلاں علماء ومشائخ کے لئے۔ طلب صادق لے کر آئیے۔ ادب، عقیدت، اطاعت کو شعار بناکر ذکرِ الٰہی میں فنا ہوجائیے۔ جب دل ذکر کے نور سے منور ہوگا تو انشاءُ اللہ بقا مل جائے گی۔ ذکر اللہ کا نور دنیا میں بھی ساتھ رہے گا۔ قبر میں وحشت وتاریکی کیلئے اجالا بنے گا۔ اور پلصراط پہ آگے آگے چلے گا۔ یہی سرمایۂ آخرت ہے جو صرف اتباعِ رسول ﷺ میں ڈوب کر رضائے الٰہی پانے سے ملتا ہے۔ یہی نورِ ہدایت و معرفت اور مومن کی فراست ہے۔ خدا ہم سب کو اس نعمت سے مالا مال فرمائے۔ آمین

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں

1

یہ مضمون اس وقت لکھا گیا تھا جب حضرت شیخ المشائخ علیہ الرحمۃ والرضوان دارِ دنیا میں موجود تھے۔ اب آپ کے وصال کے بعد اسی طرح شائع کیا جارہا ہے۔ تاخیرِ اشاعت کے لئے ادارہ معذرت خواہ ہے۔

ارشاد السالکین

(۱)

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب دامت فیوضہم العالیہ

۲۵ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ پر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد پہلی بار دو ساتھیوں کو روحانی بیعت سے مشرف کرنے کے پُرسعادت موقع پر خادم سلسلہ اویسیہ نے بطور نصیحت یہ چند کلمات بیان کئے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ … اَجْرًا عَظِیْمًا ہ

اللہ جل شانہٗ نے جس قدر نعمتیں انسانیت پر اور انسانیت پر عام فرمائی ہیں اُن میں سے سب سے اعلیٰ سب سے ارفع اور بہت بڑی نعمت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے شرف بیعت کا حاصل کرنا یہ وہ سعادت ہے جسے آپ باب معرفت کہہ سکتے ہیں یہ وہ سعادت ہے جو روز ازل ہی سب سے پہلے جملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوئی۔ اور جس روز خداوند کریم نے تمام ارواح سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا اُس روز تمام انبیاء کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے عہد پہ کاربند فرمایا اور یہی ان کی بیعت تھی جس کے طفیل انہوں نے معرفت باری کے عظیم خزینے پائے اور اپنی اپنی بعثت کے وقت دُنیا میں بے دریغ لٹائے تمام اُمتوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق قائم کرنا بالکل اس طرح ضروری تھا جس طرح زندگی کے لئے رُوح کا ہونا ضروری ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے تعلق روح کی حیات ہے اور تمام دُنیا میں اوّل وآخر سب انسانوں سے انبیاء علیہم السلام کی ذوات مقدسہ کے بعد نوع انسانی میں افضل ترین انسان وہ تھے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف بیعت حاصل ہُوا اور براہِ راست جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہوئے یہ وہ نعمت ہے جو ازل میں بٹی، بٹتی رہی آپ کی بعثت پہ تقسیم ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا سے پردہ فرما جانا اس کو کسی طور منقطع نہیں کرتا، یہ بہت بڑا فرق پیدا ہوگیا ہے کہ جنہیں اس عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہُوا اتحاد عالم کی وجہ سے وہ صحابیت پہ فائز ہوئے، اتحاد عالم نہ رہا تو جس روح کو بارگاہِ رسالت میں باریابی حاصل ہوئی وہ ولایت خاصہ پہ فائز ہوئی اور اہل اللہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پہ روحانی بیعت کا کرنا ایک بہت اعلیٰ، ایک بہت اونچا ایک بہت ارفع مقام حاصل ہے، یہ وہ ہستی ہے خواب میں بھی جس کی زیارت ہو جائے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس شخص کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ چہ جائیکہ

کسی کو یہ سعادت حاصل ہو کر وہ بیداری میں کشفاً حضور ﷺ
کی زیارت کرے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اُسے روحانی بیعت
کی سعادت بھی نصیب ہو، اگر کسی کو زیارت نصیب نہ بھی
ہو تو حصول فیض کے لئے پھر کسی ایسی ہستی کی ضرورت پیش
آجاتی ہے جو اس نعمت کی امین ہو جو سینہ بسینہ بارگاہ رسالت
سے لے کر آج تک بٹتی آرہی ہے اور آج سے انشاء اللہ قیامت
تک تقسیم ہوتی چلی جائے گی چونکہ یہ انسانیت کی ضرورت ہے
جب تک انسانیت باقی ہے تب تک یہ انشاء اللہ العزیز بہر حال
باقی رہے گی جہاں یہ بہت بڑی نعمت ہے اور اس کا پالینا بہت
بڑی سعادت ہے وہاں یہ ذمہ داریوں کا ایک عظیم پہاڑ بھی ہے
جہاں تک اس کی سعادت کا تعلق ہے اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جو لوگ
آپ سے بیعت کرتے ہیں انما یبایعون اللہ انہوں نے اللہ
جل شانہٗ کی عظمت کی ردا کو تھاما انھوں نے اللہ کے ساتھ
عہد کیا اللہ کے ساتھ بیعت کی۔ بیعت ایک عہد ہوتا ہے لیکن اسے
اس عہد کی اہمیت کی وجہ سے بیعت کا نام دیا گیا ہے بیعت کا
معنی ہوتا ہے بیچ دینا فروخت کر دینا گویا بیعت کرنے والا شخص
اپنے آپ کو اپنی پسند و ناپسند کے معیار کو اپنی خواہشات کو
اپنی آرزوؤں کو اپنی تمناؤں کو اپنی جان کو اپنے مال کو اپنی اولاد
کو غرضیکہ جو کچھ اللہ کی طرف سے اسے عطا ہوا ہے اُس سب کو
اُس ہستی کے قدموں پر نچھاور کر رہا ہے جس کے ساتھ وہ بیعت
کر رہا ہے اور یہ معمولی وعدہ نہیں ہے، یہ ایک دن کے لئے نہیں
چند سالوں کے لئے نہیں ہے محدود وقت کے لئے نہیں ہے یہ
ایک مستقل عہد ہے اور اتنا مضبوط عہد کہ اسے اپنے آپ کو
بیچ دینے کا نام دیا گیا ہے اب اگر کوئی اس عہد کے بعد اس
کی اہمیت کی پرواہ نہیں کرتا اسے توڑتا ہے اپنی زندگی حضور کی
پسند سے نہیں اپنی پسند سے گزارنا چاہتا ہے تو گویا وہ عہد کو توڑنے والا ہے
اللہ فرماتے ہیں فمن نکث اس عہد کو جس نے توڑا فانما ینکث
علیٰ نفسہٖ اس نے اپنے آپ کو توڑ دیا اپنے آپ کو تباہ کر دیا اس نے اپنا کچھ
باقی نہیں رکھا۔ یہاں سے گرنے والے کی کوئی ہڈی پسلی باقی نہیں رہتی
بحیثیت انسان خطا کا ہو جانا یہ دوسری بات ہے لیکن دل میں اس
تڑپ کا زندہ رہنا میں کبھی بھی کسی لمحہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی
نہ کروں، یہ ایمان کی بنیاد ہے اور آپ ایک چھوٹے سے واقعے سے اس
کی عظمت و اہمیت کا اندازہ کرلیں سیدنا عثمان غنی ؓ معدن حلم وحیا
فرماتے ہیں میں نے جس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی
ہے اُس کے بعد کبھی کسی ضرورت کے لئے اپنا دایاں ہاتھ شرمگاہ
کو مس نہیں ہونے دیا کہ اس ہاتھ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست
شفقت کو تھاما تھا۔

یہ ایک عظیم امانت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ
سے منتقل ہوتی ہوئی سلسلہ اویسیہ کی نسبت سے حضرت شیخ المکرم رح
کی ذات اقدس تک پہنچی اور آپ نے اسے مخلوق تک پہنچانے کا
حق ادا کر دیا۔ اس گئے گزرے دور میں اس طوفان بدتمیزی میں اعمال
تو بجائے خود رہ گئے عقائد اس دور کی آندھیوں کی نذر ہو رہے ہیں
جب خود کوئی اپنے ساتھ وفادار نہیں ایسا وقت آگیا ہے کہ لوگ خود اپنی
ذات کے ساتھ مخلص نہیں ہیں ایسے گئے گزرے دور میں افراد کو برائیوں
سے بد عقیدگیوں کی دلدل سے کھینچ کر ساحل امید پر لا کھڑا کرنا اور پھر
اُنھیں ساتھ لیکر چودہ صدیوں کا فاصلہ طے کر کے محمد رسول اللہ صلعم کی
خدمت اقدس میں پہنچانا یہ کوئی معمولی کام نہیں تھا اس پر کوئی
تھوڑی سی محنت نہیں لگی بیشک آپ حضرات بھی اپنا وقت
قربان کر کے آتے ہیں لیکن اس شخص کو بھی دیکھو جو ہم سے ایسا
سے لیتا نہیں تھا دیتا تھا۔ لیکن اس دینے پر اس نے اپنی پوری

زندگی لگادی۔ پوری عمر اس میں صرف کردی حالانکہ اس نے اتنی عظیم جماعت سے لیا نہیں، دیتا ہی چلا گیا۔

آپ نے آخری دو تین سالوں میں بہت کمی کردی تھی۔

بہت کم لوگ ایسے ہیں جنھیں آپ نے یہ نعمت تقسیم کی ہو یا بالکل ہی نہیں دی تھی کیونکہ جس شخص نے ایک ایک فرد کو تلاش کر کے روئے زمین پر طالبوں کی ایک جماعت ترتیب دی اور جب وہ من حیث الجماعت اس چیز کی طلب میں آگے بڑھے تو پھر کیوں ہاتھ روک لئے یہ بات اکثر حلقہ احباب میں دہرائی تو جاتی رہی لیکن کبھی اس کے اسباب زیر بحث نہیں آئے کہ ایسا کیوں ہوا۔ اصل بات یہ ہے کہ اس دور کے لوگوں میں استعداد نہیں ہے، ایک عجیب ایک خرق عادت شے سمجھ کر سیکھتے ہیں پڑھتے ہیں کچھ وقت محنت و مجاہدہ کرتے ہیں اور یاد رکھیں یہ نعمتیں نری محنت سے اگر ملیں تو شیخ کی ضرورت ہی نہ رہتی محنت سے صرف آدمی اپنے وجود میں استعداد پیدا کرتا ہے نعمت پھر وہاں سے مانگ کر ہی لینی پڑتی ہے نرا برتن مانجنے سے وہ برتن کبھی دولت سے بھر نہیں جاتا سارا مجاہدہ صرف اپنے برتن کو صاف کرتا ہے اس میں کیا ڈالا جائے گا وہ ڈالنے والا کوئی اور ہوتا ہے، یہ اللہ کی مرضی کہ کس کو کتنا دیتا ہے لیکن دینے کا سبب ہمیشہ شیخ کی ذات ہی ہوا کرتی ہے تو لوگ ایک عجیب بات سمجھ کر پڑھنے لگے لیکن جب جماعت بڑھ گئی تو ایسے لوگ بھی آگئے جو اُس حد تک تو ساتھ چلتے رہے جب اس منزل پر پہنچے تو اُن کا شوق سرد پڑ گیا اور بیعت سے مشرف ہونے کے بعد انہوں نے خلاف سنت اور خلاف شریعت روش کو اپنایا جس نے استنے پیارے جیسے عظیم انسان کو بھی ہلا کر رکھ دیا کہ بیعت کرانے والے کی بھی بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے جو شخص کسی کو کے ریش کرتا ہے ایک طرح سے اس ساری بات کا محرک وہ شخص ہے جس طرح حضور اکرم صلعم انعام دلواتا ہے اسی طرح اس شخص کی بھی اس بارگاہ میں ضمانت دے رہا ہے کہ اسے عطا کردیا جائے تو وہ شخص جب ترک اطاعت کرتا ہے تو اپنا نقصان تو کرتا ہی ہے ساتھ اسکو بھی شرمندہ کرتا ہے جو اسکو بارگاہِ نبوت میں انعام کا مستحق سمجھ کر پیش کرنے والا ہوتا ہے اور کسی بھی ایسے شخص کے لئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے کا خوف رکھتا ہو اس سے بڑھ کر اور کوئی مشکل کام نہیں کہ اُسے وہاں شرمندہ کیا جائے۔

یہ خدا کی مرضی وہ اپنی پسند سے بعض لوگوں سے بعض خدمتیں لینا پسند فرماتا ہے آپ حضرات میں اچھے اچھے لوگ ہیں نیک ہیں صالح ہیں ایسے لوگ ہیں جو نیکی میں مجھ سے بڑھے ہوئے ہیں ایسے لوگ ہیں جو علم میں مجھ سے زیادہ ہیں ایسے لوگ ہیں جو مجاہدے میں مجھ سے زیادہ ہیں ایسے لوگ ہیں جو بے شمار اوصاف اور بے شمار کمالات میں عمر میں تجربے میں علم میں ورع اور تقویٰ میں مجھ سے زیادہ ہیں یہ خدا کی مرضی اللہ جل شانہٗ نے اس ذمہ داری کے لئے مجھ جیسے ناکارہ انسان کو مقرر فرمادیا اور یہ بات کبھی بڑے غور سے سن لیں کہ اس وقت روئے زمین پر کوئی ایسا انسان دوسرا موجود نہیں ہے جو یہ نعمت تقسیم کرسکے تمام سلاسل کے لوگ فرداً فرداً ضرور موجود ہیں لیکن اُن میں سے بہت کم ایسے ہیں جنھیں خود بھی وہاں تک رسائی نصیب ہو فنا فی الرسول کے نیچے کے مراقبات میں اکثر لوگ ہیں اور فنا فی الرسول کو تقسیم کرنا اس ہمت کا اس تمام کا حامل شخص نہیں ملتا۔ اور یہ بات آپ اس طرح بھی دیکھ سکیں گے روئے زمین پر پھر کر دیکھ لیں کہیں یہ بات نظر نہیں آتی اگر کوئی دعویٰ کرتا بھی ہے تو نرا دعویٰ ہی کرتا ہے کوئی ایک شخص کو پیش نہیں کرسکتا کہ وہ شخص کہے واقعی مجھے خود بھی زیارت نصیب ہوئی اور میں نے خود محسوس کیا میں نے خود دیکھا کہ میں

بیعت سے توڑنا چاہ رہا ہوں، اصل بات یہ ہے اگر کوئی محض دنیا کمانے کے لئے محض اپنا اقتدار جمانے کے لئے یہ دعویٰ کرتا بھی ہے کہ لوگوں نے مجھے بارگاہ نبوت میں پہنچایا کہ میں نے دیکھے ہیں لوگ لوگوں کو خلافتیں سونپ رکھی ہیں اور کیا کیا دے رکھا ہے لیکن حد یہ ہے کہ ان کے اپنے کوئی لطائف ہیں نہ کسی کو کرائے ہیں قلب تک جاری نہیں ہے نہ کسی کا قلب کرا سکتے ہیں اور زبانی باتیں بنائے جا رہے ہیں زبانی کہہ دینا اور بات ہے مزا جب ہے کہ جسے وہ نعمت دی جائے وہ شخص یہ کہنے والا ہو کہ مجھے حضورؐ کی زیارت ہوتی ہے مجھے بارگاہ نبوت سے یہ انعام ملا ہے اور یہ نعمت عظمیٰ آج اور اس دور میں صرف اور صرف اویسیہ نسبت والوں کے پاس ہے اس طرح سے یہ بہت بڑا مقام ہے اور جتنا یہ مقام عظیم ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داریاں نازک بھی ہیں عظیم تر بھی ہیں۔

یہ میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں اس میں کوئی چھپانے کی بات نہیں ہے کوئی لگی لپٹی نہیں ہے بلکہ یہ سارا المرشد میں شائع ہوگا۔ ارشاد السالکین کے تحت اور ہر ایک کو پہنچایا جائے گا، یہ تو بڑی آسان سی بات ہے کہ کسی کو یقین نہیں آتا تو وہ نظیر پیش کرے کسی شخص کو سامنے لائے جو یہ نعمت بانٹ رہا ہو، ہم اسے طالب دیتے ہیں ہم اپنے احباب میں سے دیتے ہیں کہ ان کی تربیت تم کر کے دکھاؤ یا وہ کسی کو ہمارے پاس چھوڑ دیں اور ہم سے بنتا ہوا دیکھیں یہ اتنی لمبی تمہید میں نے اس لئے عرض کی ہے کہ میں یہ خوب جانتا ہوں کہ میں اس منصب کا اہل نہیں تھا، پتہ نہیں کیوں اللہ کریم نے اس عظیم ذمہ داری کو مجھ جیسے نالائق کے سر ڈال دیا میری اپنی کوتاہیاں لغزشیں کمزوریاں بڑی ہیں خدا کے لئے جن لوگوں میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں وہ مجھے مزید شرمندہ نہ کریں۔

میں دنیا داروں کی پروا نہیں کیا کرتا میرا مزاج ہی ایسا ہے دنیا داروں کے سامنے بہت مضبوط انسان ہوں میں نے کبھی کسی کی پرواہ نہیں کی کوئی حاکم ہو یا بڑا امیر ہو یا رئیس ہو مجھے کسی کی ذرہ بھر پرواہ نہیں ہوتی لیکن اہل اللہ کی مجلس میں میں اپنے آپ کو بہت کمزور پاتا ہوں وہاں بڑے بڑے عشاق کا جمع ہوتا ہے۔ ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے قربانیوں کی حد کر دی اتنے عظیم انسانوں میں جو شخص پہلے ہی خود کو چھوٹا تصور کر رہا ہو اور پھر اس پر مزید۔ وہاں صرف اگر کسی کی طرف حیرت سے دیکھا ہی جائے یہ تم نے کیا کر دیا تو اس کی تباہی کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

میں یقیناً جب تک اللہ کریم چاہیں گے کبھی ہاتھ نہیں کھینچوں گا۔ جس میں جتنی اور جب بھی استعداد ہو گی اس سے اسے کچھ زیادہ ہی ملے گا کم نہیں ملے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔ لیکن اس امید کے ساتھ کہ آپ بھی مجھے شرمندہ نہیں کریں گے۔ اس لئے بھی کہ یہ نعمت دنیا میں باقی رہنی ہے اور اگر خدا نے لوگوں سے اس سعادت کو واپس ہی لینا، تو اس واپسی کا سبب کم از کم ہم نہ بنیں، جب تک جس وقت تک میں اور آپ جن پر رہیں گے خلوص کے ساتھ نہایت دیانتداری کے ساتھ صرف اللہ کی رضا کے لئے صرف معیت الٰہیہ کے حصول کے لئے اللہ کا قرب تلاش کرتے ہوئے آخر منزلوں کی طرف گامزن رہیں گے تب تک یقیناً یہ انعامات یہ دولت ہمارے پاس رہے گی جہاں سے اور جب بھی خلوص اٹھ گیا ہے گا وہاں سے یہ نعمتیں اٹھ جائیں گی پھر دنیا داری رہ جائے گی یہ دولت تو رہے گی جب تک یہ کائنات باقی رہے گی افراد بدل جاتے ہیں اقوام بدل جاتی ہیں فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اگر ایک جگہ سے خلوص اٹھ جائے تو خدا ایسے افراد کو لاتا ہے جو اللہ کی محبت میں سرشار ہو کر پھر اس نعمت کو سنبھال لیتے ہیں دوسرے محروم رہ جاتے ہیں پھر بات صرف طبلے بجانے اور قوالیاں سننے تک رہ جاتی ہے صرف رسم رنگ تک رہ جاتا ہے صرف جھنڈا جیسی لکھتے اور ایک دوسرے کو خدا کے نام پر دھوکا دیا جاتا ہے اعاذنا اللہ وایاکم

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

(۲)

ارشاد السالکین

تقریر:۔ حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ العالی

(۱۳ر جولائی ۱۹۸۴ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض خصوصیات ایسی واضح، اتنی روشن اور اتنی ظاہر و باہر ہیں کہ خداوند کریم نے اپنی کتاب میں بھی انہیں ارشاد فرمایا ہے۔ اور متعلقین کے لئے اپنے آپ کو جانچنے کا ایک معیار بھی۔ ان میں سے ایک سب سے اعلیٰ جذبہ جو انسان میں بدرجۂ اتم موجود ہے اس کو عام کرنا ہے اور وہ ہے محبت۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت پر پوری دنیا کا، پوری انسانیت کا نقشہ قرآن کریم نے چند الفاظ میں کھینچا ہے اور فرمایا ہے: وکنتم اعداءً اے لوگو! تم سب ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ کوئی کسی کا بھلا چاہنے والا نہیں تھا۔ حکومتیں تھیں، سلطنتیں تھیں، ممالک تھے، قومیں تھیں، قبائل تھے، خاندان تھے۔ لیکن باپ بیٹوں کا دشمن اور بھائی بھائی کا دشمن تھا۔ محبت نام کی شئے، یہ مبارک اور مقدس جذبہ انسان گنوا چکے تھے۔ اور اس کے ضیاع نے انسان کو انسانی وجود میں رہتے ہوئے درندہ بنا دیا تھا۔ جسم انسانی تھے، شکلیں انسانی تھیں لیکن بودوباش درندوں کی طرح تھی۔ بات بات پر ایک دوسرے کا خون ہوتا تھا۔ گلے کاٹے جاتے تھے۔ تباہی ہر طرف تھی۔ اگر چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے سنگم کو ہم تاریخ میں بھی دیکھیں تو ہمیں پوری انسانیت خون میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مبعوث ہوئے تو آپؐ کی بعثت نے ہر اس شخص کو جس کا تعلق آپؐ کے ساتھ قائم ہوتا گیا ایک محبت بھرا دل عطا کر دیا۔ وَكُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ حضورؐ کی بعثت پر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور پھر ایسی محبت ڈالی جو رہتی دنیا تک مثالی محبت ہے۔ یعنی ایسے ایسے لوگ جو خود اپنی اولادوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، ایسے ایسے لوگ جو پانی کے ایک گھونٹ کے بدلے انسانوں کو ذبح کرنے سے نہیں چوکتے تھے، جو چند لقمے روٹی چھیننے کے لئے کئی گھروں کے چراغ گل کر رہے تھے، تباہی و بربادی پر خوش ہوتے تھے، انہی لوگوں کو پھر دیکھیں آپ کہ اسی صحرا کے اٹھتے ہوئے بگولوں کو آپؐ نے نسیمِ سحر میں بدل کر رکھ دیا۔ اور خود اپنے ساتھ دشمنی کرنے والے لوگ غیروں کے لئے بھی محبت بھرا پیغام بن گئے اور کیسے کیسے عجیب انسان، کیسے کیسے روشن دل اور کیسی کیسی نرالی محبتیں وجود میں آئیں کہ روئے زمین پر انسانیت کو کہیں کسی جگہ کوئی تکلیف پہنچی تو وہ صحرا نشین تڑپ اٹھے۔ انسانوں کی بہتری کے لئے انسانوں کی فلاح کے لئے نسلِ انسانی کو اللہ جلّ شانہٗ سے آشنا کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دی ہوئی اسی محبت کو عام کرنے کے لئے انہوں نے صحراؤں، پہاڑوں، دریاؤں کو عبور کیا اور دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک یہ دولت پہنچا کر دم لیا۔

گدا کی جھونپڑی سے لے کر بادشاہ کے محل تک اس محبت نے ایک ایسی اخوت، ایک ایسا رشتہ، ایک ایسا تعلق قائم کر دیا کہ دنیا کے تمام مسلمانوں کے دل ایک نام پر دھڑکنے لگے حتیٰ کہ جنہیں ایمان نصیب نہ ہوا مسلمانوں کے دل میں ان کے لئے بھی محبت موجود رہی۔ یعنی کمال تو یہ ہے۔ حتیٰ کہ خداوندِ عالم نے منع فرمایا انہیں اپنا قریبی مت بناؤ۔ ان پر اعتماد مت کرو۔ کیوں؟ هَا أَنتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ کہ تم تو بحیثیت انسان کافر سے بھی محبت کرتے ہو، اس کا بھی بھلا چاہتے ہو۔ لیکن کافر کبھی تم سے محبت نہیں کرتا۔ اس لئے انسانی حقوق تمام عطا فرما کر کافروں کو ایک حد پر روک دیا جس سے آگے انہیں نہ بڑھنے دیا وہ مسلمانوں کے لئے بھی اور انسانیت کے لئے مضر ثابت ہوں گے۔ یہ محبت کا جواب بھلا نفرت سے کیوں؟ اور کافر پر شفقت کیا معنی؟

امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہاں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایمان کی خاصیت یہ ہے کہ وہ دل کو مصفّٰی اور منور کر دیتا ہے۔

اس میں تجلیاتِ باری آجاتے ہیں۔ حضورؐ کے انوار منعکس ہوتے ہیں۔

اور یہ ساری چیزیں ساری کائنات کیلئے اپنے دامن میں رحمت و شفقت رکھتی ہیں تو مومن فطری طور پر ہر ایک کا بھلا چاہتا ہے۔ ہر ایک سے محبت کرنا شروع کر دیتا ہے، ہر ایک کی بہتری پہ خوش ہوتا ہے اور کسی کو بھی کہیں تکلیف ہو تو وہ دکھ محسوس کرتا ہے۔ لیکن کفر ایک ایسی مصیبت ہے کہ کافر جب خود اپنے آپ سے محبت نہیں کرتا، اپنے وجود کو گھسیٹ کر دوزخ کی طرف لے جارہا ہے تو دنیا میں کسی دوسرے سے محبت کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کفر کی ظلمت، کفر کا زنگ جو دل پر ہوتا ہے وہ اس کے دل میں سب کے لئے نفرتیں پیدا کرتا رہتا ہے تو گویا یہ ایک معیار بھی بن گیا کہ جتنا جتنا ایمان مضبوط ہوگا، اتنی اتنی محبت و شفقت خصوصاً مومنین کے لئے وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ جن لوگوں کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معیت کا کوئی شمہ نصیب ہے اشداءُ علی الکفار رحماءُ بینھم۔ ان کی شدت ان کی سختی کفر کے لئے ہے، برائی کے سامنے ہے۔ لیکن نیکی کے لئے، مومن کے لئے، دوسرے مسلمان کے لئے وہ سراپا رحمت ہیں، سراپا شفقت ہیں اور سراپا ایثار ہیں۔

تصوف نام ہے کمالِ دین کو پانے کا، دین نام ہے اتباعِ رسالت کا۔ دین کے لئے ہر کام مسلمان کا ہر فعل دین ہے۔ بشرطیکہ اس میں دو چیزیں موجود ہوں۔

اول یہ کہ وہ کام اللہ کے لئے کیا جائے دوسرے یہ کہ حضورؐ کی سنت کے مطابق کیا جائے اس کا طریقہ وہ ہو جو حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ یہ دین ہے۔

اور کمالِ دین کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا اور ان عادات اور ان خصائل کو جو عنداللہ یا عندالرسول پسندیدہ نہیں ہیں انہیں اپنے آپ سے دور کرنا۔ ان سے اپنے دل کو، اپنے دماغ کو صاف کرنا درحقیقت اسی محنت اور اسی مشقت ہی کا نام تصوف و سلوک ہے۔

اب اس کیلئے دو طرفہ محنت کی جاتی ہے۔ ایک تو شیخ کی طرف سے کہ وہ ان انوارات کا امین ہوتا ہے جو فیضان صحبت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں تقسیم ہوئے اور جنہوں نے کائنات کے دلوں کو نفرت کی ظلمت دھو کر محبت کے نور اور روشنی سے منور کر دیا حتیٰ کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ جیسا جلیل القدر انسان جس کے نام سے بڑے بڑے حکمرانوں کا پتا پانی ہوجاتا تھا کہہ اٹھتا ہے کہ اگر دجلہ کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا رہ گیا تو مجھے پوچھا جائیگا۔

دوسری طرف طالب یا سالک ہوتا ہے

طالب کیلئے دو باتیں انتہائی ضروری ہیں۔ ایک تو تادمِ واپسین محنت میں کمی نہ کرے۔ کبھی اور کسی مقام پر اپنے آپ کو محنت اور مجاہدہ سے بالاتر نہ سمجھے واعبد ربك حتی یاتیك الیقین دمِ واپسین تک، آخری سانس تک محنت شرط ہے اور جب اس زندگی کی ڈور کٹ جائے گی تو تمام مشقتیں ختم ہو جائیں گی۔ تو پھر ابدالآباد اسے صرف آرام کرنا ہوگا۔ لیکن یہاں آخری دَم تک اسے محنت سے چھٹکارا نہیں۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ آدمی جب چلنا شروع کر دے تو سستی واقع ہو جاتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ گزارا ہو رہا ہے، خیر ہے۔ لیکن ایک بات بطورِ خاص یاد رکھیں کہ اس راہ میں توقف نہیں ہوتا۔ صوفی کبھی کسی جگہ رکتا نہیں۔ یا آگے بڑھتا رہتا ہے اور اگر آگے نہ بڑھے تو پھر پیچھے ہٹنا شروع کر دیتا ہے یا ترقی ہوتی رہتی ہے یا تنزل ہوتا رہتا ہے۔ یا اوصافِ جمیلہ کو پاتا رہتا ہے اور یا پھر انہیں کھوتا رہتا ہے تو ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ یہ نفرتیں یہ کدورتیں یا کسی کے لئے بھی بُرا چاہنا یا بالخصوص ایسے لوگوں کے لئے جو مسلمان بھی ہیں اور اس سے بڑھ کر ہمسفر بھی ہیں اور اپنے ساتھ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے والے بھی ہیں ان کے لئے بھی معاذاللہ اگر دل میں نفرتیں ہوں تو اس دل میں دنیا کے کون سے انسان کے لئے محبت ہوگی۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن کو نگاہ میں رکھنا ہر طالب کے لئے ازحد ضروری ہے۔

ایک بات یاد رکھیں اتباع صرف شریعتِ مطہرہ کا کیا جائے گا۔ کوئی فرد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس منصب کا حامل نہیں ہے کہ معاذاللہ حضورؐ کے حکم کو منسوخ کر کے اپنا کوئی حکم جاری کر دے۔ جو بھی کرے گا اس کی بنیاد حضورؐ کے احکام پر ہوگی فروعات میں اختلاف اسی لئے ہو سکتا ہے کہ ہر شخص کا شعور، ہر شخص کا فہم اپنا ہے۔ ایک ہی بات کو مختلف انداز سے سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن اتباع بہرحال اسی بات کا ہوگا، حاکم وہی ہوگی جو ارشاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ اور جہاں کہیں غلظت یا شدت ہوگی تو حضورؐ کی سنت کے احیاء کے لئے۔ جہاں آپؐ کے ارشاد کے خلاف اگر کوئی بات صادر ہو رہی ہے تو اس کو روکنے کے لئے اور حقیقتاً یہ شدت بھی رحمت ہے اس شخص کے لئے جو ایسی مصیبت میں گرفتار ہے لیکن اس کی صورت دوسری ہے جیسے کسی کے جسم پر پھوڑا بن جائے ڈاکٹر اسے عملِ جراحی سے چیر کر اس کا اپریشن کرے تو یہ دشمنی نہیں ہے بلکہ یہ بھی انتہائی شفقت ہے کہ وہ اس کے متعفن پھوڑے سے اپنے ہاتھوں کو آلودہ کرتا ہے، اپنی محنت اس پر لگاتا ہے اور چاہتا یہ ہے کہ یہ سارا گندہ مواد اس کے

جسم سے دھوکر اسے پھر سے صحت مند کر دے تو یہ جو مومن کے دل میں کفر کے خلاف شدت ہوتی ہے وہ بھی ایسی کہ اس کو بھی منور القلوب لوگوں میں شامل کر دیا جائے یا کسی صالح شخص کو اگر کسی بُرائی پہ یا غلطی پہ غصہ آتا ہے تو وہ بھی رحمت اور محبت کی ایک شکل ہے اگر اسے اس سے محبت نہ ہوتی تو وہ اس کی اس بُرائی پہ خوش ہوتا۔ کہتا کہ خوب ہے اسے جانے دو یہ جس راستے پہ جا رہا ہے اسے گرنے دو جہاں یہ گرنا چاہتا ہے۔

اگر یہ محبت، یہ شفقت، یہ رحمت، یہ تڑپ دل میں سے کم ہونا شروع ہو جائے تو ہر آدمی کو یہ جاننا چاہیے کہ اس کے دل سے شفقت نہیں اٹھ رہی بلکہ اس کا تعلق حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کمزور پڑ رہا ہے اور جوں جوں یہ تعلق مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔ ساری انسانیت کے لئے بالعموم اور مومنین کے لئے بالخصوص اور پھر اپنے ہمسفر، اپنے دوست، احباب اور اپنے قریبیوں کے لئے اس سے بھی زیادہ محبت و شفقت دلوں میں پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ یہ کمال ہے آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو اسی لئے علیٰ منہاج النبوت کہا جاتا ہے کہ ان کے عہد میں کمالاتِ نبوت اسی طرح مترشح، اسی طرح روشن، اسی طرح قائم رہے جس طرح عہدِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کہ کسی کو کسی کے ساتھ کوئی رنجش نہ تھی۔ یعنی وہ عالمگیر محبت جو حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی والف بین قلوبکم وہ الفت اور اتنی گہری، اتنی پائیدار، اتنی مضبوط کہ اگر اللہ کی عطا نہ ہوتی اور اگر کوئی شخص اپنی طرف سے اصلاح کرنا چاہتا تو وہ ہرگز نہیں کر سکتا تھا اگر دنیا کے سارے وسائل بھی خرچ کر ڈالتا ما الفت ولو انفقت ما فی الارض جمیعًا۔ اگر دنیا کے تمام وسائل بھی خرچ کر ڈالتا تو کوئی شخص یہ کام انجام نہیں دے سکتا تھا جو اللہ کی عطا سے حضورؐ کے فیضانِ نظر سے حضورؐ کے فیضانِ صحبت سے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات سے عالم میں رونما ہوئے اور دنیا کو سیراب کر گئے۔ یہ دولت اسی طرح قائم رہی عہدِ فاروقی تک۔ اس کے بعد وہ کمال دلوں میں نہ رہا الفت و محبت کا جو اس زمانے میں تھا۔

آپ حضرات جو اس راہ پر گامزن ہیں۔ آپ اس کمال کے طالب ہیں، اس الفت اس رحمت کے طالب ہیں جسے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقسیم فرمایا تو باقی امور کے ساتھ اپنے دل کی نگرانی اس امر میں بھی ضرور کیجئے کہ ہمارے دلوں میں ساری انسانیت کے لئے عمومًا مسلمانوں کے لئے خصوصًا اور طالبانِ طریقت

کے لئے ان سے بھی بڑھ کر خلوص ہو، محبت ہو، ایک جذبہ ایک تڑپ ہو کہ یہ لوگ بھی کامیاب و کامران رہیں۔ یہ بھی بخیر و عافیت اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور ان کو بھی تمام احباب کو بھی برکاتِ نبوی سے حصہ وافر نصیب ہو۔ اللہ جل شانہٗ ایسے ہی دلوں کو منور فرماتے ہیں جن میں یہ تڑپ موجود ہو۔ جن کا رابطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر سے ہو اور یاد رکھیں ایمان کی ایک عملی صورت صوفیاء کے نزدیک یہ بھی ہے کہ اگر کشفاً دیکھنا چاہیں تو محسوس ہوگا کہ اس دل کو ایک باریک سا تار قلبِ اطہر رسول اکرم ﷺ سے جوڑے ہوئے ہے۔

حضرت سید عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے "الابریز" میں ارشاد فرمایا ہے کہ قلبِ اطہر رسول ﷺ سے بے شمار نورانی تاریں نکلتی ہیں اور ہر مومن کے دل کے ساتھ ایک ایک تار جڑی ہوئی ہوتی ہے۔ اب اس کا خلوص، اس کی اطاعت اور اس کی غلامی جو ہے وہ اس کو بڑھاتی چلی جاتی ہے، مضبوط کرتی چلی جاتی ہے حتیٰ کہ دنیا میں ایسے دل بھی ہوتے ہیں جن کی طرف سمندر کی ٹھاٹھوں کی طرح انوارات کی لہریں اٹھتی ہیں قلبِ اطہر سے اور اگر اتباع نصیب نہ ہو، اگر غلامی چھوڑ بیٹھے تو پھر وہ کمزور ہوتی چلی جاتی ہے حتیٰ کہ ایک درجہ ایسا بھی آتا ہے جب ٹوٹ جاتی ہے۔ اگر خدا نہ کرے وہ ٹوٹ جائے تو ایسا شخص ایمان پر قائم نہیں رہ سکتا اور آپ دیکھتے ہیں کہ ہمارے دور کی یہ مصیبت ہے کہ ہر گھر میں متعدد نئے نئے عقائد پیدا ہو رہے ہیں۔ ایک گھر کے آدمی پانچ ہوں، مذہب چھ ہوتے ہیں۔ باپ کا اور عقیدہ ہے، بیٹے کا اور عقیدہ ہے، خاوند کا اور ہے، بیوی کا اور ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ وہ پتنگ ہیں جن کی ڈوریں کٹ چکی ہیں۔ جس پتنگ کی ڈور کٹ جائے وہ جوِ سماوی میں آوارہ ہو جاتا ہے۔ اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ اسی طرح یہ "تار" خدانخواستہ اگر ٹوٹ جائے تو پھر عقائد کی بھی کوئی بنیاد نہیں رہتی۔ کسی کو کوئی اچک لیتا ہے اور کسی کو کوئی اچک لیتا ہے اور اگر یہ "تار" قائم رہے تو پھر اس کے ساتھ رحمت، شفقت، محبت اُنس اور بھلائی کے جذبات موج در موج دلوں میں آتے ہیں۔ ہر شخص اپنے باطن کو دوسرے کی نسبت خود زیادہ دیکھ سکتا ہے۔ کامل علم تو اللہ کریم کا ہے لیکن کسی بھی دوسرے کی نسبت اپنے دل سے صاحبِ دل خود زیادہ واقفیت رکھتا ہے کہ صاحبِ خانہ اپنے گھر سے دوسروں کی نسبت زیادہ واقف ہوتا ہے کہ میرے گھر میں کیا کچھ ہے؟ تو ہم سب کو اس لحاظ سے بھی اپنے دلوں کی نگرانی کرنی چاہیئے کہ ہمارے دلوں میں محبتیں ہوں، عقیدتیں ہوں، ایک دوسرے کی بھلائی کے جذبات ہوں ایک دوسرے کی بھی خواہی کے لئے تڑپ

موجود ہو۔

اگر کسی سے کوئی غلطی بھی ہوتی ہے تو محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اسکی غلطی کو اچھالا نہ جائے بلکہ ممکن ہو تو اس کو اس غلطی سے آگاہ کیا جائے۔ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ راتوں کو اٹھ کر اس کے لئے بھی دعا کی جائے کہ اللہ! یہ شخص ہمارا ہمسفر ہے تو اسکی اصلاح فرما۔ اسے اس راہ سے گرا نہیں۔ اسکی حفاظت فرما۔ یاد رکھیں صوفیائے کاملین معصوم نہیں ہوتے لیکن محفوظ ضرور ہوتے ہیں۔ اللہ کریم ان کی حفاظت فرماتا ہے اس وقت تک جب تک ان کا دل اس نور کو اپنے دل میں قائم رکھے اور اس میں خلوص موجود ہو۔ جب تک محبتیں قائم ہوں خداوند عالم حفاظت فرماتے چلے جاتے ہیں۔ غزوۂ احد کے موقع پر جب حضورؐ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے تو ابن ابی منافق راہ میں سے ۳۱۳ افراد لے کر علیحدہ ہو گیا اگر وہ چاہتا تو مدینے سے بھی نہ جاتا کیونکہ اس کا ارادہ نقصان پہنچانے کا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ جب میں راستے سے مڑوں گا تو اس کا اثر باقی لوگوں پر بھی ہوگا تو اوس و خزرج میں سے دو قبیلے انصار کے دو قبیلے ایسے تھے جو اس کی باتوں سے متزلزل ہو گئے چونکہ اس نے کہا تھا کہ بھئی ہماری تو کسی نے سنی نہیں اور مکہ والے تین ہزار کا لشکر جرار تیار کر کے لائے ہیں اور ہم ایک ہزار آدمی ہیں نہ ویسے اسلحہ ہے نہ وہ وسائل ہیں تو خواہ مخواہ ہم نکل کر باہر جا رہے ہیں۔ تو یہ تو موت کے منہ میں جانے کے مترادف ہے۔ بھائی میں تو اپنے آدمی نہیں مرواؤں گا۔ میں تو جا رہا ہوں واپس۔ اب ہزار کا بھی سات سو رہ گیا تو ان کے دلوں میں بھی یہ بات آئی کہ یہ ہے تو خودکشی والی بات۔ وہ متردد ہو گئے۔ قرآن کریم کے الفاظ ہیں۔ اَن تفشلا .... ان کے دلوں میں یہ بات گذری کہ وہ بھی پیٹھ پھیر جائیں، نامردی دکھائیں لیکن خداوند کریم فرماتے ہیں وَاللّٰہُ وَلِیُّھُمَا ان کے دل میں یہ وہم آیا تھا، اللہ کریم فرماتے ہیں میں نے ان کے دل میں جمنے نہیں دیا۔ میں ان کے ساتھ ہو گیا۔ میں ان کا نگہبان تھا۔ میں نے انہیں جہاد میں ثابت قدم رکھا اور انہیں حضورؐ کا اتباع اور غلامی نصیب فرمائی۔ اسی راہ سے تین سو آدمی پلٹ کر جا رہے ہیں انہیں خدا نے کیوں نہیں روکا۔ اس لئے کہ ان کے دل میں خلوص نہیں تھا۔ نفاق تھا اور اسی راستے پر وہ لوگ بھٹکنا چاہتے ہیں تو خدا فرماتا ہے وَاللّٰہُ ولیھما خدا ان کا نگہبان تھا۔ میں نے انہیں سنبھال لیا۔ یہ ہوتی ہے حفاظتِ الٰہیہ۔ کہ عقلِ انسانی نے تو یہ سمجھا کہ یہ مشکل کام ہے۔ لیکن حضورؐ کے لئے ان کے دل میں خلوص موجود تھا ان کے عقل کی بات خدا نے ان کے دل پر وارد نہیں ہونے دی۔ اسے کہتے ہیں حفاظتِ الٰہیہ۔ یہ لوگ محفوظ ہوتے ہیں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ ان قبائل کے سردار

بعد میں کہا کرتے تھے کہ اگرچہ اللہ کریم نے تنبیہہ فرمائی ہے اور ہمارے لئے بڑا سخت لفظ استعمال کیا ہے لیکن ساری کسر نکل گئی جب کہہ دیا: وَاللّٰہُ وَلِیُّھُمَا کہ میں خود ان کا ولی ہوں، محافظ ہوں یہ اعزاز بھی تو ہمیں کو بخشا۔ اس راہ کے لوگ معصوم تو نہیں ہوتے لیکن محفوظ ضرور ہوتے ہیں۔ جب ان کے قدم ڈگمگانے لگتے ہیں بحیثیت انسان مختلف اوہام جب ان کے ذہنوں کو پریشان کرتے ہیں تو اللہ ان کی حفاظت اپنی قدرتِ کاملہ سے کرکے سیدھے راستے پہ گامزن کر دیتا ہے اور یاد رکھیں یہ سیدھا راستہ محبت، رحمت شفقت اور احسان تورع کا ہے۔ اس راہ میں نفرتیں نہیں ہیں بلکہ مخالفین کے لئے بھی حضورﷺ کے ہاتھ اٹھ جایا کرتے تھے۔

اللھم اھد قومی ....

فانھم لا یعلمون۔ اللہ یہ جاہل ہیں تو ان کو معاف کر دے۔ ہدایت نصیب کر دے۔ چہ جائیکہ مومنین کے لئے، ایسے لوگوں کے لئے جو اللہ کے طالب ہوں۔ ہمارے دلوں میں محبت و شفقت نہ ہو۔ ہر شخص کی کوئی نہ کوئی جسے وہ کہتے ہیں کوالیفیکیشن۔ ہر شخص کی کوئی نہ کوئی خصوصیت ہوتی ہے۔ کہتے ہیں:

پائے سگ بوسید مجنوں خلق گفتہ ایں چہ بود
گفت ایں سگ گاہ گاہ در کوئے لیلیٰ رفتہ بود

مجنوں کتے کے پاؤں چوم رہا تھا کسی نے کہا ارے بیوقوف کیا کرتا ہے۔ یہ تو کتا ہے۔ ناپاک اور نجس۔ کہنے لگا ہے تو نجس۔ لیکن لیلیٰ کی گلی سے کبھی کبھی ہو آتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ محبت کرنے کے لئے یہ معیار بھی بہت عظیم ہے کہ یہ شخص میرے شیخ کے پاس بیٹھنے والا تو ہے۔ کوئی نالائق سہی، ناکارہ سہی .... اپنے اعمال کو ہمیشہ دیکھتے اور جانچتے رہیے۔ اللہ جل شانہٗ کا بہت بڑا انعام ہے اس گئے گذرے دور میں۔ جب دنیا پھر نفرتوں کی لپیٹ میں ہے۔ مشرق سے مغرب تک انسان کے ہاتھوں انسان کا خون بہہ رہا ہے۔ دنیا کا کونسا ملک ہے، کونسی قوم ہے کونسا علاقہ ہے جہاں محبت ہو، کہیں نہیں ہے۔ ہر طرف دھوکا بازی ہے، اداکاری ہے، ایکٹنگ ہے، نفرتیں ہیں، کدورتیں ہیں، منافقت ہے سوائے ان دلوں کے جو نورِ نبوت سے روشن ہیں۔ اور اس دور میں یہ لوگ غنیمت ہیں۔ ہر شخص کو اس کے اپنے عہد میں رکھ کر دیکھا جائے۔ آج کے دور میں ہمیں سید عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ جیسے کاملین تو نظر نہیں آ سکتے کہ ان کا اپنا معیار تھا، ان کا دور اپنا تھا، ان کی شخصیت اپنی تھی، ان کے جذبات اپنے تھے، ان کے مقامات اپنے تھے۔ زیادتی یہاں ہوتی ہے کہ ہم آج کے آدمی کا موازنہ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ سے کرنے لگتے ہیں۔ ہمیں آج کے آدمی کو آج کے لوگوں میں کھڑا کر کے دیکھنا ہوگا ہر چند کہ معیار پھر بھی اسلاف ہی ہوں گے

پھر شاید وہ ہمیں دوسروں سے اچھا نظر آئے۔ اور دوسری گذارش یہ ہے کہ مختلف چیزیں ہوتی ہیں، مختلف کمالات ہوتے ہیں، مختلف حیثیتیں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے کسی کو جانا جاتا ہے تو میرے خیال میں یہ تعلق اور یہ نسبت کہ یہ شخص بھی میرے شیخ کا ہمنشین تھا تو یہ بہت بڑا مضبوط تعلق ہے۔ اس کی حفاظت کی جائے۔ ایک دوسرے کے لئے دعا کیا کریں احباب کے لئے دعا کیا کریں استقامت کی۔

اللہ کریم سب کے دلوں کو روشن رکھے۔ خداوند کریم سب کو قبول فرمائے۔ اللہ کریم سب کو اپنا قرب اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس کی حضوری نصیب فرمائے۔

خداوند عالم اس چمن کو ہمیشہ پھلا پھولا رکھے۔ نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ اس دور کی برائیوں سے، تباہیوں سے، شیطان کے اوہام سے اپنی پناہ میں رکھے۔

وَآخِرُ دَعْوانا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ العالمین ٥

اِطلاع

اویسیہ ہاؤسنگ سوسائٹی کے تمام ممبران کو مطلع کیا جاتا ہے کہ سوسائٹی کی جنرل میٹنگ مورخہ ۱۶ راگست ۱۹۸۴ء بروز جمعرات بمقام مرشد آباد (چکڑالہ) منعقد ہوگی۔ تمام ممبران سے التماس ہے کہ وہ اس میٹنگ میں شمولیت فرمائیں۔

میاں محمد ریاض

(جنرل سیکرٹری)

اویسیہ کواپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی۔ لاہور

قارئین کے خطوط

محترمی و مکرّمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

بحوالہ المرشد (مئی ۱۹۸۴ء) مضمون ارشاد السالکین (خصوصی ہدایات) مضمون ہذا میں صفحہ ۲۳ پر شجرہ مبارک کے آخیر میں درج ہے۔

"الٰہی بحرمت ختم خواجگان خاتمہ فقیر محمدؐ اکرم و من بخیر گردان"

ظاہر ہے کہ سیّدی و مرشدی مدظلہ العالی نے محض اپنے عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے نام کے ساتھ لفظ "فقیر" لکھا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ساتھیوں کے لئے بھی شجرۂ مبارک پڑھتے ہوئے حضرت مدظلہ العالی کے لئے لفظ "فقیر" کا استعمال جائز ہے؟

اس کے علاوہ ایک ساتھی کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ وہ حضرت مدظلہ العالی کے لئے لفظ "برادرِ شفیق" استعمال کرتے ہیں۔

میرے ناقص خیال کے مطابق یہ دونوں باتیں خلافِ ادب ہیں۔ اس لئے آپ سے استدعا ہے کہ ان کا جواب "المرشد" ہی کے ذریعے دیں تاکہ دوسرے ساتھی بھی استفادہ کرسکیں۔

نیاز مند

محمد اسرار۔ مسقط

الجواب

عزیز مکرم، عاقبت بخیر باد، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
آپ کے خط کے جواب میں چند باتیں جو اللہ کریم نے اپنے فضل وکرم سے دل میں ڈال دیں۔ درج ذیل ہیں:
میرے نزدیک اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ لفظ "فقیر" جس کا اضافہ حضرت مدظلہ العالی نے فرمایا ہے،

۱:۔ یہ ایک امرِ وجدانی ہے۔ اسی طرح یہ لفظ قائم رہنا چاہیئے۔

۲:۔ یہ لفظ محض انکسار وعجز ہی کے اظہار تک معنیً محدود نہیں۔ بلکہ تصوّف وسلوک میں ایک "مقام" یا "مرتبہ" کی بھی نشاندہی کرتا ہے۔ لہٰذا اسے اسی طرح رہنا چاہیئے۔

۳:۔ اور پھر اس میں ایک "تعلیم" بھی ہے کہ جسے جو مانگنا ہو۔ اللہ کریم سے مانگے۔ یٰایھا الناس انتم الفقراء واللہ ھو الغنی۔

۴:۔ اور حقیقتاً "فقر" کے مرتبہ پر کوئی عارفِ کامل، صوفی صاحبِ حال، اور قوی النسبت ہی پہنچ سکتا ہے۔ قال اور حال کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے شجرہ پڑھتے وقت اس لفظ کو اسی طرح پڑھنا ہی بہتر ہے۔

۵:۔ لفظ بدلنے سے یا اپنی رائے کو اس میں ٹھونسنے سے برکات زائل ہو جاتی ہیں اور یہ خلافِ طریقت اور سوءِ ادب بھی ہے۔ واللہ اعلم

(ادارہ)

نوٹ:۔ حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ العالی دامت فیوضہم نے اس تحریر کی تصویب بھی فرما دی ہے۔

www.QuranTafseer.net

الحمد للہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو ویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراً سن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبدالباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراً ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255